

دہن

اور دوسرے ماسیکر فکشن

عقیل عباس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

دلهن اور دوسرے مائیکرو فکشن

عقیل عباس

دلخواہ اور دوسری مائیکروفکشن

تم کیا جانو ہم کون میاں
ہم میر و غالب ، جون میاں
عقیل عباس

دہن

اور دوسرے مائیکرو فکشن
(مائیکرو فکشن)

عقیل عباس

فہلے پینٹ پبلیکیشنز لاہور

دلن اور دوسرے مائیکرو فکشن

ناشر
نظمینہ کیسٹن
لارہور

اہتمام و اشاعت

جملہ حقوق محفوظ

زعیم رشید

نام کتاب: دلن اور دوسرے مائیکرو فکشن
0333-4919950

مصنف: عقیل عباس

0300-3372575

rjaqeelabbas@gmail.com

موضوع: مائیکرو فکشن

میڈیا پارٹر: سٹرائل بوریوالا

انتظام: ادبی تنظیم نظمینہ

کمپیوٹر کمپوزنگ: رحمت گرافس

سرور: ذیزان ہاؤس

سن اشاعت: 2016

قیمت: 300 روپے

ناشر: نظمینہ - لاہور

فہرست

13	مائیکروفکشن اور عقیل عباس	...☆
23	تہنیت نامہ	...☆
24	عقیل عباس --- ایک مائیکروفکشن نگار	...☆
27	پیش لفظ	...☆
32	استدعا	...☆
33	عطایاں	...☆
34	سفرالی الخیر	...☆
36	The Machines	...☆
37	مائیکروفکشن	...☆
38	زمین	...☆
40	پیر صاحب	...☆
41	بُدھودیو	...☆

دلخن اور دوسرے مائیکرو فکشن

42	Traveller	...☆
44	فیصلہ	...☆
45	اکیٹریس کا شوہر	...☆
46	بے بصر	...☆
47	بقا	...☆
49	توارد	...☆
50	سپارٹیکس	...☆
51	دہن	...☆
52	ادھیر بن	...☆
54	نظم	...☆
57	قوسین	...☆
58	تیری تصویر	...☆
59	ڈر	...☆
60	NHE D-01	...☆
62	انسان	...☆
64	خلش	...☆
66	робوٹ	...☆
67	مضحک	...☆
68	پاگل سائنسدان	...☆
70	مارس پر موت	...☆

دلخن اور دوسرے مائیکرو فکشن

71	ایجنت	...☆
73	مکاشفت	...☆
75	ڈرپُک	...☆
77	سزا	...☆
78	ضرورت مند	...☆
79	نرگس	...☆
80	لاشمور کی سازش	...☆
81	ارتکاب	...☆
83	بھوک	...☆
84	سیفو کے لیے	...☆
86	افروڈاٹ	...☆
88	لز باس کی ملکہ	...☆
89	Longing	...☆
90	چاک	...☆
91	Death of an Artist	...☆
92	و ما علینا	...☆
94	ماں	...☆
96	****	...☆
98	بندر	...☆
100	بلا عنوان	...☆

دلخن اور دوسرے مائیکرو فکشن

101	پینسل اور چڑیا	...☆
102	تہذیب کے قیدی	...☆
104	ہر کہیں ہے کوئی	...☆
106	وہ کون تھا؟	...☆
108	لبیک	...☆
109	سر اٹھاؤ	...☆
110	افلاس	...☆

<><><><>

انتساب

اس بزرگ و برتر ہستی کے نام
جو ہر متھے اور فکشن سے
ماورا ہے اور جس کا کوئی ہمسر
نہیں۔

دلخواہ اور دوسرے مائیکروفسٹن

اظہار تشكیر

عہدِ جدید کے بعض آشنا شاعر و ادیب

زعیم رشید

کی محبتوں کا مقروظ ہوں

دلخن اور دوسرے مائیکروفکشن

مائیکر و فلشن اور عقیل عباس

ادب سرحدوں کی قید سے آزاد ہوتا ہے تا ہم علاقائی حوالوں سے ہر خطے کے ادب کی الگ پہچان ہے ہر علاقے کا ادب اس معاشرے کی پہچان کر داتا ہے ہر خطے کا مزاج اور معاملات مختلف ہوتے ہیں اسی حوالے سے مختلف اصناف ادب میں پنپتی ہیں لیکن آج کے گلوبل ویلچ میں یہ معاملہ اتنا سادہ نہیں ہے۔ سرد علاقوں کے بساںیوں کا مزاج، رہن سہن، سوچنے کا طریقہ کار اور معاملات زندگی گرم علاقوں میں بننے والوں سے مختلف ہیں۔ جو خطے قدرتی طور پر کچھ خاصیتوں اور محرومیوں کا شکار رہے اس کے اثرات وہاں بننے والی قوم کے انداز اور اطوار پر مرتسم ہوئے اور ادب کا حصہ بھی بنے۔ کہیں سائنس و عقلی علوم کے نے انسان کو قوتِ اعتماد دی تو دوسری جانب ادب، سریت پسندی اور دینیات نے فروغ پایا۔ معلوم تاریخ میں ہیرودوٹس پہلا مفکر ہے جس نے مشرق و مغرب کی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے ایرانیوں اور یونانیوں کی باہمی چیقلش کو مشرق اور مغرب کی باہمی رقبت کی صورت پیش کیا۔ بعد کے یونانی مفکروں نے مغربی روح کے تصور کو اور نمایاں کر کے مشرق کے خلاف زیادہ فعال بنایا۔ مغربی یورشیں شروع ہوئیں تو دفاعی حکمت عملی کے تحت مشرقیت کے تصور نے فروغ پایا۔ دفاع کے لئے بادشاہت قائم ہوئی، بارود تیار کیا گیا، کاغذ کی

ایجاد سے اشاعتی سرگرمیوں کا آغاز ہوا، صفر کی ایجاد ہوئی، سیاسیات اور فلسفہ نے جنم لیا، علم جنیات کی مبادیات پر کام ہوا۔ میکاؤلی کی دی پنس سے صدیوں پہلے چانکیہ کی ارتھ شاستر لکھی جا چکی تھی۔ دیگر خطوں کی تہذیبوں میں بھی تصادم کی فضار ہی ہے تاہم ایسے میں ادب پنپتارہا، ہر خطے میں ادب کئی کروٹیں لیتا رہا۔ نئی زبانیں بھی وجود میں آئیں اور قدیم زبانوں نے بھی اپنا مزاج بدلا۔ کبھی علمی بنیاد پر ادب میں فنی تجربات ہوئے کبھی مختلف تحریکیں ادب میں در آئیں۔ ان کے اثرات کئی زبانوں میں منتقل ہوئے۔ ادب نے کلاسیکل دور سے گزر کر جدیدیت / الامرکریت / ساختیات / نومارکسیت / Hyper Reality / Deconstruction / بین المتنیت / ہائی ماڈرن ازم / پوسٹ ماڈرن ازم کی کروٹ بھی لی۔ ادب میں آج دیگر زبانوں کے ادب سے ادبی اصناف کا لین دین معمولی بات ہے۔ اردو زبان کا دامن اس حوالے سے بہت وسعت رکھتا ہے۔ شاعری ہو یا فلشن، اردو ادب نے مختلف زبانوں سے استفادہ کیا۔ ناول / ناولٹ / افسانہ / نظم / ہائیکو..... غزل بھی اردو زبان میں آئی۔ مائیکرو فلشن انگریزی زبان سے براہ راست اردو زبان میں آیا اور بہت حد تک قبولیت حاصل کرنے میں بھی کامیاب رہا۔

کھوج کاروں کے مطابق مائیکرو فلشن کا ظہور لا طینی امریکہ میں بیسویں صدی کے اوائل میں ہوا جہاں سے یہ مغربی یورپ پہنچ گیا اور آخری دہائیوں میں شام اور عراق تک پہنچ چکا تھا، مراکش الجزاير اور یونیس میں اسے

پذیرائی ملی، امریکیوں نے اسے فلیش فلشن کا نام دیا، جاپانیوں نے اسے ہتھی سائز کی کہانی کہا، چین میں اسے منٹ لانگ، سموک لانگ یا سگریٹ نوشی نام کہانی بھی کہا گیا، کچھ لکھاریوں نے اسے پوپ کہانی سمجھا، کبھی اسے مختصر ترین افسانہ یا مائیکرو سٹوری کہا گیا کہیں پورٹریٹ ادب کا نام دیا گیا تو کہیں ٹیلیگراف سٹوری کے نام سے پکارا گیا، تاہم مائیکرو فلشن مغرب کے کئی معروف لکھاریوں کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ عربی روایتی افسانہ بھی اس کی چھیڑ چھاڑ سے محفوظ نہ رہا۔ محمد ابراہیم بوعلو، احمد زیادے، احمد بوزفور، محمد زفراں، محمد تنفو، حسن بر طال اور دیگر کئی لکھاریوں نے اس کے ارتقاء کے لئے راہ ہموار کی۔

علمی ادب کا مطالعہ کریں تو جاپان میں مختصر ترین فلشن کی روایت سب سے پرانی دکھائی دیتی ہے۔ سترھویں صدی میں نشر اور ہائیکو کو یکجا کر کے ہیون لکھے گئے۔ اس صنف میں بھی تبدیلی آئی اور ٹیکسٹ میسج تک محدود مختصر ترین کہانیاں بھی لکھی جانے لگیں جنہیں کیٹھا فلشن کہتے ہیں۔ رفتہ رفتہ بیسویں صدی کے آخر میں تھمب ناولز یا موبائل فون فلشن نے لے لی۔

میرا مائیکرو فلشن سے پہلا تعارف برطانیہ میں قیام کے دوران ہوا جب میری مادر علمی یونیورسٹی آف لندن میں اس حوالے سے ایک تقریب منعقد ہوئی۔ برطانیہ میں قومی سطح پر بھی فلیش فلشن ڈے منایا جاتا ہے، وہاں تو SMS فلشن پر بھی کام ہوتا ہے۔ جیسے آج کی نئی جزیشن ٹوئٹر لیٹ کو بھی فلشن کی ایک صورت قرار دے رہی ہے اور اب نینوفلشن پر مباحثہ جاری ہیں۔

2004 سے امریکہ میں بھی مائیکرو فلشن کے باقاعدہ مقابلے ہو رہے ہیں تاہم دیگر کئی ادبی اصناف کی طرح اس کی بھی کوئی لگی بندھی واضح تعریف سامنے نہیں آسکی۔ اردو کے کچھ لکھاریوں نے اسے مائیکروف کا نام دیا، الفاظ کی تعداد میں اسے قید کرنے کی سعی کی گئی کہ مائیکرو فلشن 300 الفاظ سے تجاوز نہیں کر سکتا جبکہ فلڈیش فلشن 300 سے ایک ہزار الفاظ تک مشتمل ہوتا ہے۔ کچھ فیس بک کے فورمز پر کم از کم الفاظ 300 مقرر ہوئے۔ جیسے الفاظ کے شمار کے مطابق ناول، ناولہ، ناولٹ، افسانہ اور پھر افسانچہ۔۔۔۔۔ عمومی تاثر یہ ہے کہ افسانہ ساڑھے تین ہزار الفاظ سے ساڑھے سات ہزار الفاظ تک ہوتا ہے۔ فلڈیش فلشن پانچ سو سے ہزار بارہ سو الفاظ تک ہوتا ہے۔ مائیکرو فلشن میں پانچ سو سے کم الفاظ ہوتے ہیں جبکہ ٹوئٹر لٹ کو پچیس الفاظ سے ایک سو چالیس حروف تک لکھا جاتا ہے۔ نینو فلشن اس سے بھی چند الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ کہانی کی لمبایی، قسم اور حجم کیا ہے قاری کو اچھی کہانی پڑھنے سے غرض ہوتی ہے۔ عمومی خیال یہ بھی ہے کہ آرٹ کا کوئی فارمولہ نہیں ہوتا، کوئی پر اپ فارمیٹ نہیں ہوتا، افسانہ کہانی کی کوکھ سے جنم لیتا ہے۔ کہانی اور افسانے کو علیحدہ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا، کہانی کے طویل پیرائے میں کی جانے والی بات افسانے کی ایک لائن میں بھی سما سکتی ہے اس لئے یہ چیزیں کوئی الگ نہیں ہیں۔ یہ کلیر یکل تفریق عام طور پر گراہم کے لوگوں نے کی ہے۔ خلائق کا آدمی تو اسے علیحدہ کر کے دیکھو، ہی نہیں سکتا۔ انتظار حسین اور ڈاکٹر انور سجاد نے ستر کی دھانی میں کہانی اور افسانے کی بحث

چھڑی۔ ان مباحثت کے بعد یہ روایت عام ہوتی چلی گئی اور دیگر نئی اصناف بارے بھی بہت سے علمی مباحثت سامنے آئے۔ آج مائیکروفکشن کو دیگر اصناف سے الگ کرنے کی بحث جاری ہے۔

مائیکروفکشن کی اہم خوبی اس کی تحرید ہے۔ اس کی جزوی اساطیری واقعات سے بھی ہو سکتی ہے۔ تخلیق کے پہناؤے میں مذہبی قصائص بھی تحریدی ملاوٹ کے ساتھ مائیکروفکشن میں ڈھالے جا رہے ہیں۔ معروف مائیکروفکشن رائلر Antonya Nelson کے مطابق مائیکروفکشن لکھنا نہیں دکھانا ہے۔

تاہم اردو ادب میں مائیکروفکشن پر کام کرنے والوں کے مطابق یہ ضروری ہے کہ نئے تجربات کے ساتھ رمزی مقصدیت کا وجود اشارہ و تلمیح کے استعمال سے ایک خفی پیغام کی صورت مختصر بیانیہ میں سامنے آئے۔ ایسے مختصر جملے استعمال ہوں جو حرکت، پھوایش اور واقعات کی کمپلی کیشن سے لبریز ہوں۔ میرے خیال میں الفاظ کی شرط کی بجائے غیر ضروری الفاظ سے اجتناب کرتے ہوئے کم سے کم الفاظ میں قاری کو متاثر کرنا ہی کامیاب مائیکروفکشن کی ضمانت ہے۔ محض کہانی میں کم الفاظ کا استعمال نہیں بلکہ کم الفاظ میں مکمل کہانی کہنے کا فن مائیکروفکشن ہے۔ بحر کیف مائیکروفکشن کی مثال چھوٹے ڈبے میں بڑا مزہ جیسی ہے۔ مائیکروفکشن میں پنج لائن کو لازمی قرار نہیں دیا جاتا۔ تحریر کا اصل مقصد قاری پر ایک تاثر چھوڑنا ہے۔ مائیکروفکشن کے حوالے سے بہت سے سوالات ابھی اٹھائے جا رہے ہیں۔ جدید طرز احساس کے حامل نقادات نئی صنف پر گفتگو کرتے ہوئے

دھانی دے رہے ہیں تاہم انگلیاں اٹھانے والوں کی بھی کمی نہیں اور اس صنف میں بھر پور کام کرنے والوں کے حوصلے بھی جواں نظر آتے ہیں۔

انسان جوں جوں ترقی کے ذینبے طے کرتا گیا اس کا وقت قیمتی ہوتا گیا اور ذہن مصروف، تیزی سے بدلتی دنیا میں آج وقت کی شدید قلت کا سامنا ہے۔ جدید دور میں ادب میں بھی کئی تبدیلیاں نظر آئیں مائیکرو فلکشن ایسی ہی ایک تازہ ہوا کا جھونکا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ افسانے کی ایک مکمل فضا کو علامت کی پیوند کاری کا سہارا لیتے ہوئے کم سے کم الفاظ کا پہنانا پہنانا مائیکرو فلکشن ہے۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر افسانچہ کیا ہے؟ افسانچہ کے ہوتے ہوئے مائیکرو فلکشن کیوں؟

افسانچہ اپنے نام اور ہیئت کے اعتبار سے افسانے کی تصفیری شکل ہی تو ہے۔ آج کہانی میں جدت کی بات ہو رہی ہے میں سمجھتا ہوں ہر جدید طرز احساس اپنے عہد سے جڑا ہوتا ہے۔ افسانچہ ہو یا مائیکرو فلکشن، دونوں میں کچھ قدر یہ مشترک بھی ہیں اور ان کے درمیان تمیز کرنے کے لئے مکمل طور پر جدلیاتی طریقہ نہیں اپنایا جاسکتا۔ افسانچہ میں الفاظ کی تعداد کے تعین میں کافی گنجائش ہے جبکہ مائیکرو فلکشن میں ایسا نہیں (اس پر ابھی مباحثہ جاری ہیں)۔ فلیش فلکشن اور ٹوئٹ کے درمیان مائیکرو فلکشن ہے، ٹوئٹ انداز 25 الفاظ تک ہوتا ہے اور فلیش فلکشن 500 الفاظ سے شروع ہوتا ہے تو ان کے درمیان ہی مائیکرو فلکشن کی تعداد کا تعین ہوگا۔ الفاظ کی تعداد کے بعد بحوالہ متن بھی اسے دوسری اصناف سے

مختلف ہونا چاہئے۔ جب مختصر تحریر لکھنے کا رواج عام ہوا تو اسے بغیر کسی اصول و ضوابط کے لکھا جانے لگا جس سے کئی اہم ادبی اصناف متاثر ہونے لگیں، اسی لئے ان اصناف کو ہدایت کے حوالے سے الگ الگ خانوں میں دیکھا جانے لگا اور ان کے اصول و ضوابط طے پائے۔ مائیکرو فکشن کا متن اسے دوسری اصناف سے مختلف بناتا ہے۔ انہاک کے مباحث میں یہ بات سامنے آئی کہ مائیکرو فکشن کا جنم نثری نظم کے اختلاط سے ہوا۔ اس لئے کبھی یہ نثری نظم کے روپ میں بھی نظر آتے ہیں اور کبھی افسانے کا پیرایہ اوڑھتے ہیں۔ جب نظم میں نثر کی ملاوٹ ہوتی تو مائیکرو فکشن جنم لیتے ہیں۔ ہر مختصر قصہ اور کہانی مائیکرو فکشن نہیں اور نہ ہی لٹائف اس ضمن میں آتے ہیں۔ ملanchir الدین کے لطیفے مائیکرو فکشن نہیں۔ کچھ احباب منشو کی سیاہ حاشیے کو بھی مائیکرو فکشن سے تعمیر کر رہے ہیں۔ راست بیانیہ میں تحریر کی گئیں مبشر زیدی کی 100 لفظوں کی کچھ کہانیاں مائیکرو فکشن کی عمدہ مثال ہیں۔

آج تیزی سے تبدیل ہوتی ہوئی زندگی میں ایک ایک لمحہ انتشار سے بھرا ہے، ایسے میں فکر اور اقدار کے ذاویے تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں وہ چاہے اخلاقی ہوں یا ادبی۔ ایسے میں ہم تخلیق کار سے یہ امید کیوں رکھیں کہ وہ انہی اصول و ضوابط کا کاربند رہے جو مدتیں پہلے شعر و ادب کے سلسلہ میں اساتذہ سخن نے مرتب کئے تھے۔ تخلیق کار بھی اسی نظام کا حصہ ہے۔ ہم ذہن کے دریچوں کو کیوں بند رکھیں۔ تازہ ہواؤں کے جھونکے کیوں نہ آنے دیں۔ اپنے عہد کی ادبی ضرورتوں اور تقاضوں سے ہم آہنگ اظہار و بیان کے نئے امکانات

وجہات کی تلاش و جستجو ادیب کا حق ہے۔

ڈی ایچ لارنس ایک جگہ لکھتا ہے کسی نئی آواز کو سننا مشکل ہے اتنا ہی مشکل جتنا کہ کسی انجامی بولی کو سننا اور اس کی وجہ وہ یہ بتاتا ہے کہ دنیا ڈر کے مارے نئی آواز کو نہیں سنتی، کیونکہ دنیا اگر کسی بات سے ڈرتی ہے تو وہ ہے نیا تجربہ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک نیا تجربہ بہت سے پرانے تجربات کو درہم برہم کر دیتا ہے۔

مائیکروفکشن اب تشکیل کے مراحل میں نہیں بلکہ اس کے خدوخال بہت حد تک واضح ہو چکے ہیں۔ اس کی اپنی ادبی شاخہ قائم ہو چکی ہے۔ اس میں وسیع تر تنلیقی امکانات پائے جاتے ہیں۔ اس میں ایک تازہ جھونکے جیسا کیف ہے۔ آنے والا عہد مائیکروفکشن کا ہی ہوگا اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ آنے والے زمانے میں بڑے اور اہم ادب کی مثال مائیکروفکشن کی ہی صورت میں نظر آئے۔ اس کی رائیں بے حد تابناک اور روشن ہیں۔ صدیوں پرانی بات اس پر صادق آتی ہے کہ عقلمند آدمی وہ ہے جو مختصر لفظوں میں بڑی بات کہہ دے، لیکن بڑی بات چند لفظوں میں بیان کرنا کوئی آسان کام نہیں، اس کے لئے ایک عمر کی ریاضت درکار ہوتی ہے تب کہیں جا کر یہ ہنر ہاتھ لگاتا ہے۔ بدھانے کہا تھا دنیا میں ہر چیز تبدیل ہو جائے گی سوائے تبدیلی کے۔۔۔ ادب میں آج بھی زیادہ تر لوگ لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں۔ ہم نہ خود کچھ نیا کرنا چاہتے ہیں نہ لوگوں کو نیا کرنے کی اجازت دیتے ہیں یہ رو یہ ہر دور میں رہا لیکن دیوانے اپنے لئے راہ

نکال ہی لیتے ہیں۔

عقلیل عباس! رب اظہار نے تمہیں لفظ کی حرمت عطا کی ہے۔ اپنی صلاحیتیں تخلیق پہ صرف کرو۔ یہ پہلا پڑاً ضرور ہے لیکن ابھی تمہیں بہت اونچی اڑان بھرنا ہے، بس محنت اور لگن سے ادبی کام جاری رکھو۔ تم جانتے ہو جب میں نے تزوینی کے نئے اسلوب کی تائید کی تو کھو کھلے ذہنوں نے اس پر ٹوٹ کر تنقید کی۔ تم یہ بھی بہت انگلیاں اٹھیں گی۔ کبھی ہمت نہ ہارنا۔ خون جگر صرف

کرو خدا یئے سخن مہربان ہو گا۔ تم تخلیق کار ہو، کچھ نیا کرنا جرم نہیں ہے، تم کٹھرے میں کھڑے ہو کر جواب دہ نہیں ہو۔ نہ بہتوں سے دوستی اچھی۔۔۔ نہ بہتوں کا ویر۔ علمی و ادبی دنیا میں یہ کتاب مستقل حوالہ بنے گی، میں تمہارے لئے دعا گو ہوں!

و سعیت فکر کا تو یہی تقاضا ہے سو مجھے یہ کہنا پڑے گا!
 خوش آمدید اردو ادب میں مائیکرو فلشن کی پہلی کتاب میرے سامنے ہے جس نے طرفہ العین میں میری توجہ اپنی جانب جذب کر لی، چند لائنوں میں جو الامکھی قید کرنا کوئی آسان کام تو ہے نہیں لیکن یہ کام عقیل عباس نے کر دکھایا۔ مائیکرو فلشن لکھاری سے پوری سنجیدگی اور ریاضت کا تقاضا کرتا ہے۔ عقیل عباس ایک نومشق فلشن نگار ضرور ہے لیکن جس سلیقے سے اس نے مائیکرو فلشن لکھے ہیں وہ اس کے فن کی پختگی کی دلیل ہے۔ قدرت نے اسے یہ وصف عطا کیا ہے کہ وہ اپنے قلم سے چھوٹے چھوٹے لفظ لکھتا جاتا ہے اور کاغذ پر اس منظر کی پوری تصویر بن جاتی ہے پھر وہ منظر قاری کو اپنے سحر میں گرفتار کر لیتا ہے اور قاری حیرت کے ایک جہان میں چلا جاتا ہے وہ لطف کی ایک ایسی کیفیت ہے جہاں سے وہ خود بھی واپس نہیں آنا چاہتا

زعیم رشید

صدر ادبی تنظیم نظم مینہ

تہنیت نامہ

جہاں منوع جہاں قد غنیس شعار زیست ہیں وہاں عقل عباس متعدد
اسالیب لیے تحریر خیز فضا قائم کرنے میں مگن ہے اس کی تحریر جو ادب کی نئی صنف
مائیکروفکشن کے اصول و ضوابط کو مد نظر رکھ لکھی گئی ہوتی ہے تاثر، کیفیت اور جہت
سے گندھی ہوتی ہے۔

مطالعے کے دوران آپ محسوس کریں گے کہ اُسے رنگیں بیانی میں خاصی
دلچسپی ہے لیکن وہ بیانیے کو سطحی کے بجائے آفاقی لمبادے اور ڈھننے کی بھی کوشش کرتا
نظر آتا ہے۔ جس میں میری دانست میں وہ کافی حد تک کامیاب نظر آتا ہے
ڈاکٹر جمیل جالبی نے کہا تھا کہ ہر نسل کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی تنقید خود پیدا
کرے اور اپنی فکر و پیانوں اور معیاروں کا از سرِ نوجائزہ لے، مجھے یہ کہتے ہوئے
خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ عقیل عباس معاصر فضا کو نظر میں رکھے ہوئے ڈاکٹر
صاحب کے اس فیصلے پر عمل کرتا نظر آ رہا ہے۔ مجھے یہ بھی فخر ہے کہ مائیکروفکشن کی
پہلی کتاب کا سہرا میرے شہرمنڈی بہاؤ الدین کے حصے میں آیا۔ عقیل عباس رب
اطہار سے تمہاری استقامت کے لیے ملتمند ہوں۔

نعم رضا بھٹی

عقلیل عباس۔۔۔ ایک مائیکرو فلشن زگار

تمام تر اضافہ نشر کی ماں داستان گوئی ہے۔ ہر نشر پارہ داستان گوئی کی اولاد ہے۔ کوئی ڈائرکٹ اولاد ہے اور کوئی اولاد دراولاد ہے۔ بھلے اس کے نقوش ایک دوسرے سے مختلف ہیں مگر اس کی ہیئت کی کذائی ایک ہی ہے۔ داستان سے ناول، ناول سے افسانہ، افسانہ سے افسانچہ اور اب مائیکرو فلشن ہے۔

بہت سارے لوگ مائیکرو فلشن کو افسانچے کا بدل قرار دے رہے ہیں۔ مگر افسانچہ اور مائیکرو فلشن میں بہر حال بہت سے اختلافات کے باوجود اتفاقات بھی ہیں۔ چھوٹا نشر پارہ بہر حال دونوں کی تفہیقات میں اشتراک رکھتا ہے۔ یہی ان دونوں کا حُسن ہے۔

مائیکرو فلشن ایک اعتبار سے بہت مختلف ہے کہ یہ اس دور میں پیدا ہوا جس میں الیکٹرانک میڈیا اپنے زوروں پر ہے۔ مائیکرو فلشن کے بارے میں اگر کہا جائے کہ یہ فیس بک کی پیداوار ہے تو قطعاً بے جانہ ہو گا۔ اس کی طوالت جتنی بھی ہو مگر ایک بات طے ہے کہ مائیکرو فلشن کا معیار ایک فیس بک پنج پر نظر آنا ہی قرار پائے گا۔ ایک خوبصورت تخلیقی سکچ جو مائیکرو فلشن کے تخلیقی مظہر کا اظہار قرار پائے اس کی تشریح و وضاحت اس کے نقشِ مخصوص سے ابلاغ کی مسند پر ممکن ہو جائے، ہی کامیاب مائیکرو فلشن ہو گا۔

اب آتے ہیں عقلیل عباس کے مائیکرو فلشن کی طرف۔ عقلیل عباس بہت شارپ انج مائیکروف نگار ہے۔ اس کا مائیکرو فلشن "دہن" اور "سفر الخیر" کی

طرف ٹریولز کرنے والا مائیکرو فلشن ہے۔ "ایفروڈاٹ"، "سیفیو" کے نام "Longing" اور "لز بس کی ملکہ" ایسے مائیکرو فلشن ہیں جن میں اساطیری مزاج کی جھلک کے ساتھ حیران کن مواد موجود ہے۔

عقلی عباس میں مائکرو فلشن لکھنے کی اہلیت خداداد ہے۔ وہ لفظوں کی ایسی گل کاری کرتا ہے کہ لفظ اپنے مفہوم کو اندازِ ہمدرم دیرینہ کا مزاج اوڑھتے ہوئے آپ کی روح کو لطف کے جزیرے میں منتقل کر دیتا ہے۔ "فیشن" "بھوک" "زمین" ایسے موضوعات ہیں جنہوں نے "پیر صاحب" کو "زرگس" کی "بقا" کا توارد قرار دے دیا ہے۔ "دنیا" میں شعوری سازشیں کرتا ہے مگر عقلی عباس "لاشور" سے سازشیں کرنے کا عادی ہے۔ اس کی شرارتیں "سپارٹکس" اور "ادھیٹر پن" کو مائکرو فلشن میں ڈھال کر اسے نظم، قوس اور "اے ٹی ایم مشین" کو کمپیوٹر اور بالآخر فیس بک کا پرتو قرار دیتی ہیں۔ مائیکرو فلشن ادب میں ایک خوبصورت اضافہ ہے جس کا سہرہ عقلی عباس کے سر ہے۔

عہدِ جدید کے خوبصورت شاعر زعیم رشید نے لندن سے واپس آ کر ادبی تنظیم نظمینہ کی بنیاد رکھی تو اس کی بدولت کئی نوجوان شعراء سے تعارف ہوا عقلی عباس انہی نوجوانوں میں سے ایک ہے جو نظمینہ کا جزل سیکرٹری ہے۔ نظمینہ مشاعرے کی روایات کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ بہت سا ادبی سرمایہ کتابی صورت میں بھی سامنے لا رہی ہے۔ گروہ بندیوں سے بالاتر ہو کر زعیم رشید ہر وقت نوجوانوں کو ادبی کام کرنے پر اکساتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس نے نظمینہ کے ہر ممبر

میں کچھ نیا کرنے کی جستجو بھر دی ہے۔ ادبی تحریک میں ان کی مزید ترقی کے لیے دعا گو ہوں۔ رب ذوالجلال مزید برکتیں اور کامرانیاں عطا فرمائے! آمین

اے غفار پاشا ایڈ ووکیٹ ہائیکورٹ

صدر غالب اکیڈمی بوریوالا

پیش لفظ

مائیکروفکشن ایک ایسی صنف ہے جو اردو ادب میں اپنے ابتدائی مراحل سے گزر رہی ہے۔ غیر ملکی ادب میں مائیکروفکشن پر بہت کام ہو رہا ہے لیکن مائیکروفکشن کو اردو ادب میں متعارف کروانے کا سہرا سید تحسین گیلانی کے سرہی جاتا ہے۔ اس ضمن میں ان کے اقدامات لائق تحسین ہیں۔

مائیکروفکشن اور سید تحسین گیلانی سے میرا تعارف بیک وقت ہوا تھا۔ ایک دن سید تحسین گیلانی، زعیم رشید اور ہمارے ایک مشترکہ دوست کے ساتھ بوریوالا میں ہماری رہائش گاہ پر تشریف لائے جہاں ان سے مائیکروفکشن پر تفصیلی بات ہوئی۔ بعد ازاں انہاک فورم پر میرے دو مائیکروفکشن پیش ہوئے۔ جس سے میری کافی ہمت بندھی اور میں لکھتا رہا۔

پھر ماہنامہ ندائے گل کا مائیکروفکشن نمبر آ گیا جو اردو ادب میں کسی مجلہ کا پہلا مائیکروفکشن نمبر تھا۔ اسی طرح بوریوالا میں پہلی مائیکروفکشن کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ جس کے بعد ادب ضروری ہو گیا تھا کہ اردو ادب کی پہلی مائیکروفکشن کی کتاب منظر عام پر لا آئی جائے۔

"دہن اور دوسرے مائیکروفکشن" میری پہلی ادبی کاوش ہے۔ امید کرتا ہوں ناقدین ادب کو یہ صنف اور اس کے ساتھ میرا برتاؤ اچھا لگے گا۔

یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے ہمیشہ بہترین دوست میرا آئے، خاص کر بوریوالا کی سرز میں پر، جہاں میں روزگار کے سلسلہ میں پچھلے تین سال سے مقیم

ہوں۔ زعیم رشید ایک انتہائی مخلص دوست اور ایک مہربان بھائی کی طرح ہمیشہ میرے ساتھ رہا۔ مجھے یاد ہے جب میں شروع شروع میں بوریوالا آیا تھا تو مجھے کسی نے بتایا تھا زعیم رشید بہت کم لوگوں سے ملتا ہے اور میری خوش قسمتی ہے کہ میں ان بہت کم لوگوں میں سے ایک ہوں زعیم رشید جن سے بہت زیادہ ملتا ہے۔

بوریوالا اور زعیم رشید میرے بہت اچھے دوست ثابت ہوئے۔ زعیم رشید کی بدولت ہی میرا تعارف اے غفار پاشا جیسی قد آوار ادبی شخصیت سے ہوا جو بعد میں بہت خوبصورت تعلق میں بدل گیا۔

زعیم رشید نے اس کتاب کے پہلے مائیکرو فکشن سے لے کر آخری مائیکرو فکشن تک نہ صرف ہر ایک کو پوری توجہ سے سنا اور سراہا ہے بلکہ اپنے پرمغز علمی تبصروں سے بھی میری رہنمائی کی ہے۔ جس کے لیے میں ان کا بہت شکرگزار ہوں۔

ڈیزاں ہاؤس۔۔۔ محسن رضا اور شہباز اسلم بہت پیارے دوستوں کی طرح ہمیشہ میرے ساتھ رہے۔ انہی دوستوں کی محبت، توجہ اور خوبصورت مشوروں کے باعث یہ کتاب طباعت کے مراحل تک پہنچی۔ اس قدر خوبصورت مائل بنانے پر میں شہباز اسلم کا تھہ دل سے شکرگزار ہوں۔ کچھ ایسے دوست ہیں جن کا میں فردًا شکر یہ ادا کرنا چاہتا ہوں جونہ ہوتے تو شاید میں زندگی کے اس شعبہ میں اتنی رفتار سے آگے نہ بڑھ رہا ہوتا۔ جن میں جناب نعیم رضا بھی

صاحب سرفہرست ہیں۔

منڈی بہاؤ الدین میں حلقہ اربابِ ذوق کے بانی، خوبصورت شاعر اور میرے محسن میرے استاد نعیم رضا بھٹی صاحب سے میرا تعلق بہت پرانا ہے۔ اب تو صحیح سے یاد بھی نہیں کیونکہ اس کی جڑیں وقت کی جڑوں میں کہیں مدغم ہو رہی ہیں۔۔۔

نعم رضا بھٹی وہ پہلا شخص ہے جو ادب کے حوالے سے مجھے ملاتا۔ آپ سے میں نے شاعری کے علاوہ بھی بہت کچھ سیکھا ہے جو رہ گزا ریزیست میں میرے لیے زادِ سفر سے کم نہیں۔ جہاں مجھے ضرورت محسوس ہوئی نعیم رضا بھٹی ایک مشفق دوست اور ہمدرد خیرخواہ کی طرح ہمیشہ مجھے میسر رہے ہیں۔ میری خوش قسمتی ہے کہ میرا استاد میرا بہت اچھا دوست ہے۔ ان کے لیے ڈھیر ساری دعائیں۔

جناب عامر حیات صاحب

غالباً میں چھٹی یا ساتویں جماعت کا طالب علم تھا جب میرا ادبی رجحان دیکھ کر میری پیٹھ تھپتھانے والے پہلے شخص میرے اسکول کے استاد محترم عامر حیات صاحب تھے۔ انہوں نے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کی۔ ان سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ اسی خود اعتمادی کے باعث آج میں یہاں کھڑا ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔

اس کے علاوہ حلقہ اربابِ ذوق منڈی بہاؤ الدین کے دوستوں کا

ساتھ مجھے ہمیشہ حاصل رہا جن میں سید حسین احسن، حکیم محبوب زاہد، عدنان دانش، زاہد مرزا، اور لیں قریشی صاحب، زمان نیاز گورسی اور دیگر احباب شامل ہیں۔

ادبی تنظیم نظمینہ بوریوالا، بطور جزل سیکریٹری نظمینہ یہ میرا فرض بھی بتا ہے ان دوستوں کا شکر یہ ادا کرتا چلوں جن کی رفاقت ہمہ وقت مجھے حاصل رہی جن میں آصف شہزاد آصف، عامر زمان عامر، ابرار پارس جیسے پیارے دوست شامل ہیں۔

اپنے دوستوں میں مجھے محمد مجتبی سپرا کا شکر یہ ادا کرنا ہے۔ جس کے ساتھ میں نے کالج کے دنوں سے اب تک اپنی زندگی کے اچھے دن گزارے ہیں۔ وہ ہمیشہ مجھے ایک خوبصورت دوست اور بھائی کی طرح میسر رہا ہے۔

مجھے یاد ہے کالج کے دنوں میں اکثر میں ہائل سے اس کے گھر شفت ہو جایا کرتا تھا۔ جہاں میں نے کبھی اجنبيت محسوس نہیں کی۔ آنٹی اور انگل نے ہمیشہ اپنے بیٹے کی طرح مجھے بھی اپنی محبتوں میں شامل رکھا جس کا قرض میں کبھی نہیں چکا سکتا۔ دعا ہے اللہ پاک اس خاندان کو ہمیشہ خوش رکھے۔

ظہیر عباس بہت پیارے دوستوں کی طرح میرے ساتھ رہا۔ اس کا اپنا ادبی ذوق بہت اچھا ہے۔ اور ایک بہترین کولیگ کی طرح اس نے میرے پروفیشن کو کبھی میرے شوق کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیا۔ ہمیشہ میری مدد کرنے کو تیار۔۔۔

اپنے قریبی دوستوں میں انعام الحق، ارمغان تارڑ، اعتزاز احسن، سمیع اللہ، شناور

حسین، بھائی گلفراز احمد، عدیل عباس، محسن علی، محمد امین، ضمیر الحسن اور فیضان احمد کا مجھے شکر یہ ادا کرنا ہے جن کا ساتھ اور محبتیں مجھے حاصل رہیں۔

نشان انجینئرز کے دوست جن میں انجینئر عبدالاسلام صاحب، چوہدری اصغر سلیم، شاہد محمود، رضوان سندھو، جاوید احمد، مبشر چوہدری اور ایک لمبی لسٹ ہے جو میں انگلیوں پر گناہ کرتا ہوں جن کا تعاون مجھے حاصل رہا۔ اور ان تمام لوگوں کا جن کے میں نام بھول رہا ہوں جو میری زندگی میں ایک خوبصورت باب رہے ہیں، میں شکرگزار ہوں۔

اس میں کوئی دوسری رائے نہیں کہ کوئی بھی شخص اپنے گھروالوں کی توجہ اور محبت کے بغیر ادھورا ہوتا ہے۔ آج میں جو کچھ بھی ہوں یہ سب میرے والدین کی دعا ہے۔ خدائے بزرگ و برتر انہیں ہمیشہ سلامت رکھے اور میرے بہن بھائیوں اور اس کو بھی جس کے دم سے میری زندگی رنگیں ہے۔ ہمیشہ میرا خیال رکھنے اور میری بکھری ہوئی زندگی کو سمیئنے والی میری خوبصورت شریک حیات۔۔۔

تمہارے بغیر شاید یہ سب ممکن نہ ہوتا۔ ہر بات کے لیے شکر یہ۔ پھر چاہے وہ ایک خوبصورت بیٹی کا تحفہ ہو یا عمر بھر کا خوبصورت ساتھ، تم ہمیشہ سلامت رہو۔ اور آخر میں، میں شکرگزار ہوں اپنے اللہ کا جس نے ہمیشہ مجھے میری اوقات سے زیادہ نوازا ہے۔

عقیل عباس

جزل سیکرٹری ادبی تنظیم نظمینہ

استدعا

"میرے مالک---"

ہزاروں سالوں تک اسی طرح سر جھکائے میں تیری تعظیم و کبریائی بیان کرتا رہوں
تب بھی میرا کوئی حق نہیں بنتا کہ میں تجھ سے کچھ مطالبہ کروں۔ لیکن تجھ سے کچھ
نہ مانگنا بھی تیری شان اور میری ذات کی اصل کے خلاف ہے۔ میں ترا اک ادنی
غلام ہوں۔ مجھے بس اتنا حق و دیعت کر دے کہ میں تجھ سے تجھی میں فنا ہونے کی
استدعا کر سکوں۔ میرے مالک مجھے آغوشِ رحمت میں جگہ دے کر میری آتش
نہانی کو ختم کر دے۔

میرے مالک---

"میرے مالک---"

ایک صد اتھی لیکن صدا کار کہیں نہیں تھا، تمام حقیقتیں دم بخود کھڑی ایک نئی حقیقت
کی منتظر تھیں

عط

مقریں---۔ ایک فریادی زمین کی کوکھ میں بیٹھا کچھ کہہ رہا ہے۔ تم نے سنا کیا
کہتا ہے؟

نہیں مالک---

تو جاؤ اسے لے آؤ---

آج اس کی رونمائی کا دن ہے اور ہاں اسے کہنا تیری سنی جا چکی ہے۔
اب اٹھ اور ہمارے ساتھ چل۔

<><><><>

سفراںی الخیر

تو تم سب سے پہلے کہاں جانا چاہو گے؟
 میں۔۔۔ میں تو مدینہ جاؤں گا، سنہ دوہجری میں۔
 اور تم؟

جانا تو میں نے بھی وہیں ہے لیکن میں ذرا گھوم پھر کر جانا چاہتا ہوں۔
 اچھا۔۔۔ تو کہاں کہاں جانا چاہتے ہیں جناب۔
 بھئی سب سے پہلے تو میں ہائیل کے پاس جاؤں گا اس کے قتل سے ایک دن
 پہلے۔ کشتی نوح میں سفر کروں گا۔ طور پر موسیٰ کے ساتھ رہوں گا۔
 لیکن مشین تو صرف معلوم زمانوں تک ہی رسائی دیتی ہے۔

اچھا۔۔۔ تو پھر میں ارسطو اور استاد فیٹا غورث سے ملنے جاؤں گا۔ لزباس کے
 جزیرے پر کچھ دن ٹھہروں گا۔ سارے اعظم کو مٹی کے برتن پر انسانی مساوات کا
 پہلا حکم نامہ لکھواتا دیکھوں گا۔ جو یہیں سینر کو سینیٹ میں قتل ہوتا ہوا دیکھنا چاہوں

گا، قلوپڑھ کو مرتا دیکھوں گا

اور۔۔۔ اور

روم میں گلیڈی ایٹر بغاوت کو دم توڑتا دیکھ کر Spartacus پر دریتک ہنسوں گا اور پھر رو دوں گا۔ روم کو جاتی کسی سڑک پر بیٹھ کر غریب الدیار غلاموں کی سکیاں سنوں گا اور جب تھک جاؤں گا تو میرے دوست میں بھی گوشہ رحمت میں پناہ لینے تمہارے پیچھے مدینہ چلا آؤں گا۔ جہاں دوامی عظمتوں کا آفتاب پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہوگا۔

<><><><>

The Machines

ایک قبر پر ایک روبوٹ ہاتھ میں پھول لیے چپ چاپ کھڑا ہے۔ کیا سوچ رہا ہے کسے خبر۔۔۔ اور فکر بھی کسے ہے۔۔۔

یہ جو ہم نے مشینوں کو انسان کے ذہن سے جوڑ دیا ہے۔ انٹرنیٹ سے کشید ہوتی ہوئی سوچوں کے بدن تشکیل پانے سے تخلیل ہونے تک۔۔۔
ان مشینوں پر کیا گزرتی ہے۔

کسے معلوم کہ سو شل میڈیا پر مجموعی تاثر سے نتائج اخذ کرتی یہ مشینیں کس وقت کس فکر کی ذد میں ہوں۔ ہم آپ تو اپنی دانش کا غبار ہندسوں میں رکھ کر سوچاتے ہیں۔

شب بھر انہیں کون دیکھتا رہتا ہے۔

شب بھر مشینیں جا گتی ہیں۔

مائیکروفکشن

وقت نے خود ---

یعنی عصر نے

تیرے ہونٹوں کی شفق پر ایک نظم لکھنا چاہی تھی۔

لیکن سرخ لبوں سے سرخ لہوتک کا فاصلہ بہت کم تھا۔ وقت ایک انجان لکھاری کی طرح تیرے ہونٹوں کے کناروں سے پھسل کر خون آلو دنخنوں سے گریز پا ہواوں کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔۔۔

کائنات کے حدی خوانوں کا نغمہ تو سن۔۔۔

دیکھ۔۔۔ ملال کارنگ کس قدر گہرا ہے۔۔۔

اپنے دل کی گرہ کھول اور وقت کو جگہ دے۔۔۔

تاکہ اک نظم تو مکمل ہو۔

<><><><>

زمین

"ہائے میرے بچو!

مجھے بتاؤ میں کیوں اپنی چھاتی کے بال نہ نوچ لوں جبکہ زمین تباہ ہو چکی اور اس کا پانی پھٹ کر خراب ہو چکا ہے۔ ایک ایک انج دلدل میں تبدیل ہوتی زمین کا نوحہ کیوں نہ پڑھوں!

کیونکر میں بڑھے ہوئے ناخنوں کو اپنے گنج سر پر زخم لگانے سے روک رکھوں۔

کیوں-----

کیسی شاداب زمین تج کے ہم لوگ خلاؤں میں بھٹکنے چلے آئے ہیں۔
میرے بچو۔۔۔ میں یہاں مرتا ہوں تو جنت ملتی ہے زمین پھر بھی نہیں ملتی۔

ہائے۔۔۔ میرے کرب کو سمجھو میرے بچو

ہائے۔۔۔"

وہ چپ چاپ اس کے پاس سے اٹھ کر باہر آگئے۔ اندر کی بن میں زمین کی تباہی کی ضامن جزیشن کا ایک فرد اس بات سے بے خبر اپنے آپ کو کوس رہا تھا کہ اس کے پشت پچھے اس کے یہی بچے جو اس کی بات سن لیتے تھے، اس پر ہنستے رہتے ہیں۔

<><><><>

پیر صاحب

اوئے تاج دینا تیراد ماغ تو خراب نہیں ہو گیا جو تو پیر صاحب کو مار رہا ہے؟

چاچا شرف مجھے چھوڑ دے میں اس کم بخت کو نہیں چھوڑوں گا

اوہ واکیا ہے کچھ بتا بھی تو---

اوچاچا میں کہتا ہوں مجھے اس ذلیل کو مارنے دے---

اور اگر کسی کی عقیدت زیادہ جوش کھارہی ہے تو وہ ایک "جھٹ" کے لیے اس

پیر کو اپنے گھر بٹھا کر ذرا دوکان سے مشروب کی بوتل لینے تو جائے---

اوئے تاج دینے تو سچ کہہ رہا ہے؟

اور چاچا میراد ماغ چل گیا ہے کیا؟

اوئے لڑکو، پکڑ لو اس پیر کو اور لے چلوڈیرے پر--- بڑا آیا پیر صاحب---

چل اوئے آگے لگ

چل---

بدھود یو

تم نے بدھود یو کی کہانی تو سنی ہوگی۔

وہ۔۔۔ وہی جو شہزادے کو دوسرے بادشاہ کے پھلوں کے باغ سے ملا تھا۔ ذرا سوچو جب وہ پھلوں کا ٹوکرہ اور شہزادے کو اٹھائے شہر میں داخل ہوا ہو گا تو کیا منظر ہو گا۔

سازشی وزیر اور اس کا نائی کیسے جل بھن گئے ہوں گے۔

بلاشبہ بدھوا یک اچھا معاون تھا۔ شہزادی کو بے رحم دیو کی قید سے چھڑانے میں اس نے قدم قدم پر شہزادے کی سہائنا کی تھی اور شہزادے کی زندگی کتنی آرام دہ تھی۔ حقائق کی فصیلوں سے ادھر میں بھی کوئی بدھود یو ہوں۔۔۔

جو اپنی سوچی ہوئی کہانیوں کے ہر مرکزی کردار کی سہائنا کرتا ہے اور خوش ہو کرتا ہی بجا تا ہے۔

Traveller

اہلا بک

شکر یہ! معاملات کیسے ہیں

پیچیدہ

تم ملکی وے گئے تھے اس دفعہ؟

ہاں۔

کیا خبر ہے۔ خدا کے نائب کی سناو۔۔۔ ارتقا مکمل ہو گیا؟

انسان ختم ہو گیا۔ زمین تباہ ہو گئی اور اس کا پانی پھٹ گیا۔

کتنا عرصہ ہو گیا؟

چھے دن اور ساتواں جاری ہے۔

وجہ کیا رہی؟

بگاڑ۔

خیر یہ تو ہونا ہی تھا عقل کا بار خطیر کس سے اٹھا ہے۔

انہیں ذہانت کے ساتھ جذبات کے تصادم نے تباہ کیا۔
تواب اگلا ناسَب کون ہوگا؟
کوئی نہیں۔

انٹ؟

یا انت۔

کتنا وقت بچا ہے؟

ایک ساعت یا اس سے بھی کم۔

بڑائی بیان کرو۔۔۔۔۔

حق

<><><><>

فیصلہ

اور جب میرے چیختھے اڑ جائیں گے پھر تو یہ پاس بھی راکھ ہو کر ضائع ہو جائے گا۔ تو پھر میں جنت کے دربان کو کیا چیز دکھاؤں گا؟

اور اگر وہ لوگ بھی۔۔۔ جو اس دھماکے میں میرے ساتھ مرنے والے ہیں وہ بھی وہاں موجود ہوئے تو اور اگر انہوں نے میراً گریبان پکڑ لیا تو میں کیا کر سکوں گا؟

ہر قدم وہ مقررہ مقام کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے پاؤں سے منوں بار بندھا ہوا تھا۔

ایک جھگڑا اس کے اندر جو شروع ہوا تھا ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ بالآخر زندہ رہنے کی خواہش فرضی جنت کی خواہش پر غالب آگئی اور اگلے ہی موڑ سے وہ اپنی سمت تبدیل کر رہا تھا۔

ایک سڑپس کا شوہر

کل رات بھی تمہارے سو جانے کے بعد دیوار پر لٹکتی پینٹنگ کے تینوں بونے چکے سے میرے پاس اتر آئے تھے۔

کبھی وہ میری شرٹ کا کونہ پکڑ کر کھینچ لیتے تو کبھی میرے بال خراب کرنے لگتے۔ دیر تک وہ میرے ساتھ کھلتے رہے اور پتا ہے کبھی کبھی تو وہ اپنے گال میرے گالوں سے رگڑنے لگتے اور پھر تمہاری طرف دیکھ کر منہ بسورتے رہتے۔ کل بھی تمہارے جانے سے پہلے وہ واپس اپنی پینٹنگ میں گھس گئے تھے۔

دیکھو نا۔۔۔ میں کسی دن انہیں روک لینا چاہتا ہوں لیکن یہ تمہاری شوبز کی مصروفیات اور فلگر کی فکر دونوں مل کر میری خواہش کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔



بے بصر

اس کا جنم ایک تجربے کے مر ہون ہوا تھا۔

سامنے دانوں نے انسانی ڈی۔ این۔ اے میں کچھ جانوروں کے ڈی این اے کو ملا کر تجربات کیے تھے جن کا مقصد انسان میں مخصوص خصوصیات کا پیدا کرنا تھا۔

وہ اس کڑی کی دوسری کھیپ میں پیدا کیا گیا تھا۔

جس کا مقصد غیر مری مخلوق کی نشاندہی کرنا تھا۔

یہ تجربہ کامیاب رہا اور وہ بھی کتے اور گھوڑے کی طرح اچانک چونکتے ہوئے مضطرب ہو کر پہلو بد لئے لگتا تھا۔

وہ خوش تھے کہ کائناتی رازوں سے پردہ ہٹنے والا ہے مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ کائنات کی بے بصر حقیقوں کا بار خطیر کم از کم ان کی یہ کھیپ تو نہیں اٹھا سکتی تھی۔

اس لیے جب اس کی زبان سلب ہو گئی تو انہوں نے ایک اور تجربہ کرنے کی متفقہ قرارداد منظور کر لی۔

بقا

تم اسے مار سکتے تھے پھر ما را کیوں نہیں؟۔

میری تلوار ایک شاعر کے خون سے آلودہ ہو، یہ میں نہیں چاہتا تھا۔
مگر وہ شاعر تمہارے دشمن قبیلے سے ہے۔

اس نے میرے حق میں بھی رجز پڑھے ہوئے ہیں۔

اس لیے تم نے اسے چھوڑ دیا۔

نہیں۔

تو پھر؟

میں نے مظاہر فطرت کے ایک گواہ کی جان بخشی ہے۔
تم نے اپنی بقا کا سودا کیا ہے۔

شايد

ہاں، تم اس کی جان کی قیمت پر امر ہونا چاہتے تھے۔
 شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔
 میں ٹھیک ہی کہہ رہی ہوں۔
 اچھا سنو، طبل نج رہا ہے میں چلتا ہوں۔
 جاؤ اور ہاں، شان سے جیو

<><><><>

توارد

سب سے پہلے گروپ لیڈر جہاز سے اتری جواہیک پینتیس سالہ باوقار خاتون تھی، اس کے پچھے اس کی ساری ٹیم جواس سمیت کل تین نفوس پر مشتمل تھی ان کے پیروں تلے کچی وہات کی طرح سرخ ٹھیکرے جیسی بجتی ہوئی خشک سطح تھی جس میں ان کے پاؤں کے تلوے ڈوب جاتے تھے۔

انہیں یوں لگا کہ جیسے یہ جگہ پہلے کسی کا مسکن رہ چکی ہے۔
مگر کسی فسم کی باقیات انہیں دستیاب نہ ہو سکیں۔

لیکن اچانک دور ایک پھر پھر آتی ہوئی چیز نے ان کی توجہ کھینچ کر ان کے شک کو مزید تقویت دی اور وہ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے جب وہاں پہنچے تو ان کے اوساں خطا ہو گئے۔

وہ ایک اخبار کا ٹکڑا تھا جس پر ان تینوں کی تصویریں اور انثردیو چھپے ہوئے تھے اور وہ اخبار ان کی روائی سے ایک ہفتہ پہلے کا تھا یعنی پانچ ماہ اور سات دن پہلے کا۔

<><><><>

سپارٹنکس

دھوپ میں اس کے چمکتے بدن کی لچک اور اس کے وار کی گرمی دیکھ کر اکھاڑے کی سیڑھیوں پر پیٹھی خوش بدن لڑ کیاں اپنی قبائیں پھاڑ لیتی تھیں۔

سینیٹ کے ممبران کی بیویاں اس سے ہم بستری کر کے اپنی سہیلیوں کے کانوں میں سرگوشیاں کرتی پھرتی تھیں۔ دشمن اس کی ضرب کی شدت ناپتے تھے اور با تیات اس کے گن گاتا تھا۔

یہ سب اسی طرح چلتا رہتا مگر ایک دن ایک الہی سوچ نے اس کے ذہن کے مقول در پر دستک دی اور اس نے بغاوت کر دی۔ تھریشین غلاموں کے اس روحانی باپ نے کانوں سے لے کر اکھاڑے تک ہر میدان مارا تھا مگر وہ رومیوں سے ہار کر اپنے ہزاروں ساتھیوں کے ساتھ مصلوب ہو گیا اور میرا ذہن ہے کہ آج بھی اس کی کہیں نہ بننے والی قبر کے سرہانے بیٹھا ایک عظیم ایمپائر کی تباہی کے تانے بانے بنتا رہتا ہے۔

لہن

آج کی رات خدا کی روح مجھ میں حلول کرے گی
 اور وہ چاہتا ہے کہ تم اپنا آپ میرے حوالے کر کے اس کی ذوجیت میں آ جاؤ
 اور یہ بتاؤ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں یا کہ یہ خواہش خدا کی نہیں؟
 نہیں فادر!

تو پھر ٹھیک ہے آج رات تیار رہنا، کچھ داسیاں تمہیں تیار کر کے لہن بنادیں گی
 اور پھر اس نے دیکھا-----
 خدا کی روح ایک ایسے انسان میں حلول کر آئی تھی جو اس کے پاؤں کے بو سے
 لیتا تھا

تب اس نے جانا کہ وہ خدا سے عظیم تر ہے
 حالانکہ وہ کہتے تھے کہ عورت ازلی گنہ گار ہے
 اور اگر وہ ازلی گنہ گار ہوتی تو خدا اس شخص کے منہ سے، جو خود کو اس کا نائب کہتا
 ہے، اس کی جائے خفی کے بو سے لیتا!
 ہر گز نہیں

پھر ہوا میں متعلق اس کے پاؤں کی طرح اس کی گردان بھی نخوت سے تن گئی
 آج کی رات خدا اس کی دسترس میں تھا

ادھیر بن

اس نے ریڈ یو پر اس کی آواز سنی اور اس کے لمحے کی رسی سے لٹک کر اس کے ذہن میں اتر گئی۔ وہ ایک شاعر تھا جو اپنی نظم سناتے سناتے اچانک چپ ہو گیا تھا پھر اسے کھانسی کا دورا پڑا اور ریڈ یو سے اس کی لائن منقطع ہو گئی۔

اس کے ذہن میں گھستے ہی وہ گم ہو گئی

وہاں جو کچھ چل رہا تھا وہ اس جیسی ٹیلی ٹپیٹھی کی ماہر کی سمجھتے سے بھی بالآخر تھا وہاں ایک کہکشاں آباد تھی، ہزاروں قیاس کی دنیا میں تھیں جو سینئے شاعر میں سانس لیتی تھیں، کہیں بے انت خلا تھے، کہیں روشن اور مبارک صحبوں کی صو سے منور شہر آباد تھے، کہیں تو ایسے صحراء جن کے سینوں میں آبِ حیات کے چشمے روائی تھے۔ کسی رویے کو لا شعور کی تھا پر نچایا جا رہا تھا، کوئی خیال کسی لفظ کے آگے سر نگوں تھا تو کوئی لفظ کسی خیال کے پاؤں پر جھکا ہوا تھا

اور کچھ مصروف جنہیں "مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن" کے وزن پر باندھا
جارہا تھا۔ ذہن کے ایک کونے میں رات کو آنے والوں مہمانوں کی دعوت کا

نقشہ تیار ہو رہا تھا

ایک طرف یوئی کی فرمائشوں کی لمبی لست، جیب کی بساط اور مارکیٹ کے لیے
وقت ترتیب پار رہا تھا۔

اور اپنے ذہن سے باہر وہ آفس میں بیٹھا اپنا کام مکمل کرنے کی فکر میں تھا۔ اس
نے ایک لمبا سانس لیا اور اس کے ذہن سے باہر آ کر کافی دیر پر سکون لیا
رہی۔ ایک شاعر کے تخیل تک رسائی کا تجربہ ابھی پوری طرح کامیاب نہ ہو سکا
تھا۔

<><><><>

نظم

مجھ کو منظوم کرو
نہیں کر سکتا

وجہ؟
تمہیں مجھ کو اپنے جملہ حقوق دینا ہوں گے۔
دیئے۔

اچھا۔۔۔ تو پھر یہ ٹاپ اتار دو۔
کیوں؟
مجھے حقوق حاصل ہیں۔
لو۔

یہ بریزیر بھی۔
بھی لو۔

ہاں اب ٹھیک ہے!
 تمہیں بتا دوں تمہاری پیشانی ہی سے نیکی اور بدی کی فکر جنم لیتی ہے اور تم جانتی ہو
 یہ ابھار عرشِ اول کے سینہ خوش رنگ کے مخروط گنبد ہیں جن میں کائناتی تقدیس
 کے کبوتر بسیرا کرتے ہیں
 اور نیچے کوڑا ہکتی ہوئی یہ لائیں وقت کی جڑوں سے مشتق ہیں جوان ہمیں فنا سے بری
 کرتی ہیں
 اور تمہاری ناف۔۔۔۔۔

کاسہ صنوبر ہے جس کے کنارے زیتون کا کام کیا گیا ہوا اور جس میں خوش گمانی
 کی شراب خوش ذائقہ دعوتِ لطف دیتی ہے۔

تمہاری ڈھلوان چکنی مٹی سے پھسلتی گلڈنڈی کی مانند ہے جو دھوپ میں آنکھوں کو
 بھلی معلوم ہوتی ہے
 (توقف۔۔۔۔)

اور؟

زیر جامہ؟

میری آنکھیں، میری زلفیں، میری تھوڑی، میرے کندھے، اور میری گردن
تمہاری آنکھیں نورِ ازل کی عکاس ہیں، تمہاری زلفیں شبِ تار کے پھریے،
تمہاری تھوڑی عدن کی ناشپاتی اور تمہاری گردن جمالیات کے کوزہ گر کی صراحی

ہے

اور؟

زیر جامہ؟

ہٹو! میں نہیں اتارتی۔

میں نے پہلے ہی کہا تھا۔

بھاڑ میں جاؤ۔

<><><><>

قو سدیں

اس نے چاک گھما کر چھوڑ دیا اور پھر بیٹھ کر تماشا دیکھنے لگا
 چاک سے پٹی غلام گردشوں نے آنکھ کھولی اور سر پٹ دوڑ نے لگیں
 (یہ وہ غلام گردشیں تھیں جو ہر تحرک کا پیش خیمه رہی ہیں)
 یہاں تک کہ وہ آسمان کے بوڑھے باپ کی بارگاہ میں جا پہنچیں
 آسمان نے اپنے کپڑے کو سات بار جھاڑا اور فضا میں تخلیل ہو گیا
 سات تھیں اور پر تلے بچھ گئیں
 اور پھر گردشوں نے اک حقیقت کے لباس کو جالیا
 جس کی چادر کی دھجیوں سے کئی کہشاوں نے جنم لیا
 انہی کہشاوں کی ایک ٹکڑی میں ایک سبز سیارہ پوری کائنات کی توجہ کا مرکز بن
 گیا کیونکہ اس کی گولا سیاں اولیں چاک سے اترے بدن سے میل کھاتی تھیں۔
 اب تمام تر غلام گردشیں اس کے تابع کر دی گئیں
 اور کبھی کبھی یہ گردشیں ان گولا سیوں کو بھی ان کی مادی حدود سے باہر دھکیل دیتی
 ہیں جیسا کہ ان کا کام ہے
 لیکن اک استقامت سے یہ غلام گردشیں انہیں گولا سیوں میں قید ہیں اور تا ابد، تا
 جسم ثانی یہیں قید رہیں گی۔ تا وقت تکہ صور پھونک دیا جائے۔

<><><><>

تیسری تصویر

<><><><>

ڈر

رات اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ میرے کمرے کے باہر کھڑی تھی اور کھڑ کی مسلسل نج رہی تھی۔ میرا کمرہ ہائل کی دوسری منزل کی آخری لین پر تھا اور کمرے میں، میں اکیلا تھا۔ دوان دیکھی آنکھوں کی بصارت کا احساس میری گردن کی پشت پر تھا۔ میں نے ڈر دور کرنے کے لیے موبائل فون کے براوزر میں فیس بک کھول لی توجہ بٹی تو ڈر کم ہوا لیکن کھڑ کی اب بھی نج رہی تھی۔ سر پھری پا گل ہوا میرے روگلوں کے پچھے پڑی تھی۔ ڈر جب کسی طرح کم نہ ہوا تو میں نے ایک بدنام ویب سائٹ کھول لی۔ رگوں میں محمد ہونے حرارت پکڑی اور دھیان نے ڈر کی فاختتہ کو دبوچ لیا۔ تمام رات بھوت کھڑ کی کے پٹ ہلاتا رہا، ہوا سرگ سے گزرنے جیسی آواز پیدا کرتی رہی اور میں اپنے ڈر کو سہلاتا رہا۔ یہاں تک کہ دور کی مسجد سے اذان کی آواز فیڈ بیک کرنے لگی۔

<><><><>

NHE D-01

ہر پیدا ہونے والے بچے کو گرو تھ بکس (BoxGrowth) میں رکھ دیا جاتا اور اس کے ذہن کو ایک مستقل رو بولک جسم سے جوڑ دیا جاتا تھا۔ یہ جسم ATM کا روڑ کے ذریعے کسی بھی آئی ٹی بو تھ سے ڈائلوڈ کیے جاسکتے تھے۔ کھیتوں میں کنکریٹ کے پلر کھڑے ہوئے تھے۔ درختوں کی جگہ شہروں میں کنکریٹ کے جنگل تھے۔ فطرت تصویریوں میں قید ہو کے دیواروں پر ٹنگی ہوئی تھی اور اس کے ہونٹ کھردے ہو چکے تھے۔ وہ ہر ذہن کو ایک ڈائیورشن (Diversion) دے کر جملہ مقاصد حاصل کرتے تھے۔ کوئی ذہن ان کے تابع نہ ہوا۔ کبھی ہوانہ تھا۔ میرا جنم بھی اسی دور میں ہوا تھا۔ میری ماں ایک مشین تھی اور باپ اصلًا انسان تھا۔ وہ انسان بچاؤ تحریک کا بڑا رہنمای تھا۔ قید کے دنوں میں فرار ہونے سے پیشتر مشینوں نے اس کے سپر م کا نمونہ محفوظ کر لیا تھا۔ انہیں توقع تھی کہ اس سے پیدا ہونے والا بچہ با غی انسانوں کے خلاف ان کا بڑا ہتھیار

ثابت ہوگا۔ یوں میری پیدائش سے ایک بڑی امید وابستہ تھی۔ میں ان کے بڑے کام آتا اگر میں خود انسانوں سے متأثر نہ ہو گیا ہوتا۔ اصل اور آزاد انسانوں سے جن پر پے در پے حملوں کے دوران میری ملاقات ایک مشین معاون مکمل انسان سے ہو گئی X2-GNT7 وہ ایک انسان تھی مکمل اور بھر پور انسان، اس کا ایک بھی انگ مشینی نہیں تھا۔ ہمارے ذہن آپس میں لنک ہو گئے تھے۔ ایک فورس تھی جو ہمیں ساتھ رہنے پا اکساتی تھی۔ وہ اسے پیار کہتے تھے اور اس کا کوڈ NHE-D01 تھا۔ یہ جذبہ عمومی نہیں تھا، مگر یہی ایک جذبہ تھا جس کی روک تھام نہ ہو سکی تھی اور یہ کتنا مہلک تھا اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ انہوں نے سوبرسوں کے انتظار سے ملنے والے انسانی تجھ سے جنی سیمی ہیو میں مشین کو بھی ضائع کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر این ایچ ای۔ ڈی 01 کی تاثیر کا اندازہ انہیں اس وقت ہوا ہو گا جب وہ ہمیں لینے گئے ہوں گے اور انہیں ہمارے کیبین خالی ملے ہوں گے۔

انسان!

انسان--- ایک طرف سے کوئی پکارا تو سب چونک کر ادھر دیکھنے لگے۔ دور دراز کے سیارے سے ایک عجیب الخلقت سیاح تو تقریباً دوڑ کر اس جگہ جا پہنچا جہاں کا وَنَّظر پر ایک انسان اپنا کھاتہ کلیسِر کر رہا تھا۔ پھر کیا تھا عجیب عجیب شکلوں والے، سینگوں اور پروں والے، آگ میں جھلستے ہوئے ابدان اس طرف کو ہو لیے۔ میں بھی اپنی بے بد نی سمیٹتا سب کے جسموں سے راہ بناتا، سب سے آگے جا کھڑا ہوا۔

وہ دو تھے۔ ایک عورت اور دوسرا مرد۔ میں نے ساری زندگی کے سفر میں کسی آباد سیارے پر ایسی مخلوق نہیں دیکھی تھی۔ عز ازیل کس بنا پر جھکنے سے رک گیا تھا۔ میں نہیں جانتا آج میں آدم و حوا کو دیکھ رہا تھا۔ ایک سجدہ تو بنتا تھا اور جب میں دو زانوں ہو کر جھکا تو میری دیکھا دیکھی سب مخلوقات نے سر جھکا دیے۔ وہ دونوں حیرت سے ہمیں دیکھنے لگے۔ کائنات میں اتنی پیاری آنکھیں ماسوائے حوروں

کے اور کس کی تھیں؟ میرے خدا! یہ تو وہی ہیں جنہیں تو نے اپنے نمونے پر بنایا تھا۔ میں عقیدت سے لبریز ہو رہا تھا۔ اچانک کسی نے مجھے شانوں سے پکڑ کر اوپر اٹھالیا۔ آسمان کا بوڑھا باپ ۔۔۔ سب سہم گئے۔ اس نے سب کو ڈانٹ کر وہاں سے بھگا دیا اور مجھ سے کہنے لگا

انہیں سجدہ کر رہے ہو، جو اپنے منصب سے گر چکے ہیں اور جن کی حماقتوں نے زمین کو تباہ کر دیا ہے، ذرا دیکھو اس دلدلی مٹی اور پھٹے ہوئے پانی کو، اور پھر انہیں دیکھو جن سے عقل کا بار خطیر نہ سنبھالا جاسکا۔ میں نے باپ کی پوری بات سنی اور اپنی راہ چل دیا ان دونوں کے حال سے بے خبر۔ کہ وہ دیری تک وہاں کھڑے کفِ افسوس ملتے رہے۔

<><><><>

خلش

مجھے اجازت دے

کہ میں ترے بے داغ بدن پر اپنے بوسوں کی کشت سربز کاشت کر سکوں، ترے
لمس کے مخلیں دھاگوں کی گتھیاں سلجنھاؤں، اگر تو اجازت دے تو ----
اور اگر تو مجھے اجازت دے تو میں ترے ریشمی گھاس ایسے بالوں کے نیم تاریک
جنگل میں اپنی پوروں کے شہوار اتاروں اور پھر انہیں اس ترتیب سے حرکت دوں
کہ تیری روح کے تارہل جائیں۔

اور اے ٹھہرے ہوئے خاموش پانیوں کی ملکہ، بقا کی راہ میں میرے ہمراہی
گھوڑے کوندی کے گیلے لبوں پہ جھکی گھاس پہ منہ مارنے کی اجازت دے۔
اور پھر اس کو باڑھ آئی ندی میں اترنے پہ اکساتا کہ وہ پانی میں ایک نئی زندگی کے
جراثیم چھوڑ سکے۔

جیسا کہ تم جانتی ہو پانی ہی جیون کا پیش خیمه ہے۔

لیکن میری ہم نفس، یہ سب میری خواہش کے مختلف چہرے ہیں جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے تو مرے ہوئے بھی چھ سو برس بیت چکے ہیں اور مراد ہن ایک کمپیوٹر چپ میں پڑا ہے۔

جس کو وہ پچانو نے نوری سالوں کی دوری پہ ایک نئی دنیا سے رابطے کے لیے چھوڑ چکے ہیں اور تم میری چپ میں پڑی ایک تصویر سے بڑھ کر کچھ نہیں ہو جبکہ میری ضرورت تو ایک بدن ہے، ایک محملیں جسم۔

<><><><>

روبوٹ

پروفیسر--- پروفیسر

کیا بات ہے؟ تم کچھ گھبرائے ہوئے لگ رہے ہو۔

وہ پروفیسر صاحب ہمارے نئے روبوٹ نے بھی چھت سے کوڈ کر اپنا ستیاناس کر لیا ہے۔

HM-00012 نے؟

جی ہاں

اچھا اس کا ملیہ اٹھالا وَاور ہاں۔۔۔۔۔

اس مائیکرو چپ کا دھیان کرنا جو اسے انٹرنیٹ پر بکھری معلومات تک رسائی دیتی تھی۔

اس کی مرمت کے بعد اس کی ضرورت پھر پیش آنے والی ہے۔

یعنی ایک اور تجربہ؟

ہاں --

یہ ساتویں بار تھا۔

میں سات سو بار کروں گا اور ایک نہ ایک دن ان مشینوں کو انسان بنانے کے چھوڑوں گا۔

"پا گل بڈھا۔۔۔" وہ زریل بڑ بڑا تھے ہوئے لیب سے باہر نکل گیا۔

مضمضہ

اس کا بدن تھر تھر کا نپ رہا تھا اپسینے کی ایک بوند اس کی تھوڑی سے پھسلی اور گردن سے ہوتی ہوئی اس کی مخروط چھاتیوں میں دم توڑ گئی۔

پستول پر اس کی گرفت اور مضبوط ہو گئی۔ وہ پنجوں کے بل چلتی ہوئی دروازے کی اوٹ میں کھڑی ہو گئی۔ حتی المقدور اس نے سانس کو روک رکھا تھا۔
کوئی آہٹ نہ پا کر اس نے دروازے کا ایک پٹ وا کیا۔

ذراسا باہر جھانکا، برآمدے کے ستون کے پاس دھرے گلداں میں رات کی رانی ایک سانپ سے کھیل رہی تھی۔

اور ان سے ذرا اُدھر اس کا سایہ غیر محسوس حرکت کر رہا تھا۔
اس نے اپنے سائے پر تین فائر کیے اور دروازے کو لاک کر کے بستر پہ ڈھنے لگئی۔

<><><><>

پاگل سامنہ داں

میں ایک پیڑ کی گھنی شاخوں میں چھپا دو رہیں سے اپنی تدفین کا منظر دیکھ رہا تھا۔ میری بیگم کا رو رو کر بر احال تھا۔ وہ قبرستان کے داخلی دروازے پر کھڑی تھی اور میری ماں نے اسے سہارا دے رکھا تھا جو خود بھی غم سے نڈھاں تھی۔

بچے اپنی ماں کے رونے کی وجہ سے پریشان لگ رہے تھے۔

پھر آہستہ آہستہ سب لوگ جانے لگے۔ وہ بھی ابو اور امی کے ساتھ چلی گئی۔

شام ہوئی تو قبرستان بالکل خالی ہو گیا۔ میں درخت سے اتر اور اپنی قبر پر پہنچ گیا۔

آس پاس کسی کونہ پا کر قبر کھودی اپنی لاش نکالی قبر درست کی اور اپنی لاش اٹھا کر لیب میں لے آیا۔

ایک نئی زندگی کی راہ میرے سامنے ہموار ہو چکی تھی۔ اور پھر کچھ بے ترتیب لکیریں اور ایک مشاث کے اندر بنا ہوا نقشہ تھا۔

یہ اس ڈائری کا آخری ورق تھا۔ جوانہیں اس اپارٹمنٹ میں ملی تھی۔

ڈی ٹیکٹو اس ڈائری کا کیا کرنا ہے۔

اسٹمنٹ نے کمرے سے کام کی چیزیں اٹھاتے ہوئے کہا۔

مجھے دے دو

اور پھر اس کے اسٹمنٹ نے اپارٹمنٹ کی سیٹر ہیاں اترتے ہوئے، وہ ڈائری

اسے سڑک کے ایک طرف پڑے ڈسٹ بن میں پھینکتے دیکھا۔

وہ کچھ بڑا بڑا رہا تھا۔ "پاگل سامنے دان" وہ بس اتنا ہی سن پایا تھا۔

<><><><>

مارس پرموت

تہہ خانے کی دیواروں سے آ کسیجن پھوٹ رہی تھی۔ فضا میں نم کی ہلکی سی آمیزش تھی۔

زمین سے اس کا رابطہ منقطع ہوئے یہ تیرا دن تھا اور وہ اس عالمگیر تنہائی کا متحمل نہیں ہو رہا تھا۔ اس کی خوب رو خلا باز ساتھی ایک دن پہلے ماسک اتار کر اس عقوبت خانے سے نکل چکی تھی۔ جس کا مطلب خود کشی کے مترا دف تھا۔

وہ بہت دیر سوچتا رہا بالآخر اس نے بھی ماسک اتارا اور تہہ خانے سے باہر نکل گیا۔ ادھر تی کھال کے ساتھ اس نے دروازے کے نزدیک ہی اپنی ساتھی کو دیکھ لیا جواب ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکی تھی۔ وہ بمشکل اس تک پہنچا اور اس سے لپٹ گیا۔ اندر تہہ خانے میں اچانک سکرین پر کچھ حرکت ہوئی اور ایک چہرہ خالی منظر کو تکنے لگا۔

<><><><>

ایجنت

"میں نے برف کے ایسے ٹکڑے دیکھے ہیں جن سے آگ کی لپٹیں اٹھتی ہیں۔ گھروں کے صحنوں میں گمان کی حد سے آگے تک کا سامان مہیا رہتا ہے۔ فاصلے سمٹ کر ایک ویش (Wish) تک آگئے ہیں۔ اس طرف ایک اور ہی دنیا ہے جو تم نہیں۔۔۔ میں نے دیکھی ہے۔ انسان کا مستقبل بہت زیادہ روشن ہے مشین اور انسان کے ملاپ سے ہم فنا پر قابو پاسکتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اُدھر چلو۔۔۔ میرے ساتھ میں تمہیں امر ہونے کا درس دینے آیا ہوں"

بہت خوب لیکن ذرا یہ تو بتاؤ تمہیں نیند آتی ہے۔؟
کسی انسان کے لمس کو محسوس کیے کتنا عرصہ ہو گیا؟

کھانے کا ذائقہ یاد ہے؟

مرجانے کو جی نہیں کرتا؟

مجمع میں سے ایک شخص آگے نکل کر اس سے پوچھنے لگا۔ وہ کچھ کھیانا ہو کرتا ویل پیش کرنے ہی کو تھا جب دیہی نظم و نسق کے ایک نمائندے نے اسے جا کر پکڑ لیا۔ اور اس کے ساتھ ہی مجمع حچٹ گیا۔

<><><><>

مرکاشفت

لیکن زین پیر صاحب نے کہا ہے۔۔۔

یہ عجیب معاملہ ہے ماریہ۔۔۔ پیر تو پیار کرنے والوں کی سہائتا کرتے ہیں۔

ادھر تو میراً گھر بننے سے پہلے، ہی اجر نے کی پیشین گوئیاں کی جا رہی ہیں۔

انہیں سب پتا ہے زین۔۔۔

انہیں کسی نے انہیں بتایا یہاں تک کہ کسی کو پتا بھی نہیں کہ ہم ملتے ہیں اور انہیں پتا ہے۔

وہ صاحبِ کشف و کرامات ہیں اگر انہوں نے منع کیا ہے تو ہماری بہتری کے لیے ہی کیا ہو گانا۔۔۔

اس سے بچھڑ کر اس کی کہی ہر بات میرے ذہن میں گونجتی رہتی تھی۔

تمہیں تو پتا ہے یا رظہ میر۔۔۔

کتنا مشکل وقت کا ٹاہے میں نے۔۔۔

اور لوگ کہتے ہیں مردم تاثر نہیں ہوتا۔۔۔

اب جب دل کے ساتھ سمجھوتا کر کے اس کے بغیر رہنے ہی لگ گیا تھا۔
 کل پھر اس کی کال آئی تھی تین سال بعد۔۔۔
 کہہ رہی تھی امی ابو کو بھیجو ہمارے گھر۔۔۔
 کیوں بھیجوں یار۔۔۔ کل کلاں پھر کسی نجومی نے کچھ کہہ دیا تو۔۔۔
 وہ کہہ رہا تھا اور ظہیر کے ذہن میں وہ تمام قصہ تازہ ہو رہا تھا جب اس کے قریبی
 دوست کی محبت ایک پیر کی پیشیں گوئی کی نذر ہو گئی تھی۔

<><><><>

ڈرپوک

"باہر بجیا کڑک رہی تھیں۔ بادل اپنے بھاری بھر کم رتھ کھینچ رہے تھے۔ بد شکل آدم خور۔ میرے لیپٹاپ کی سکرین پر گروپ میں نکلے دوستوں کے شکار کا مزالے رہے تھے اور میں اپنے بستر میں گھسا ہند زفری لگائے Wrong Turn دیکھ رہا تھا۔ دو ایک بار بجلی کا بلب ٹھٹھایا لیکن میں نے دھیان نہ دیا۔ باہر ہوا میں کھڑکی کے شیشے پناک رکڑ رہی تھیں۔ میں پورے انہاک سے فلم دیکھ رہا تھا کہ اچانک لائٹ چلی گئی۔ اندر ہیرے نے فوراً پورے منظر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ لیپٹاپ بند ہو گیا اور Wrong Turn کا آدم خور اندر ہیرے میں آنکھیں پھاڑے مجھے گھورنے لگا۔ میں نے کمبل کھینچ کر اوپر لے لیا اور کچھ پڑھ کر اپنے اطراف پھونکنے لگا۔

تمام رات آدم خور میری پائنتی کھڑا دیکھتا رہا کہ کب میں کمبل ہٹا کر اسے دیکھوں اور وہ مجھے شکار کر لے۔ ایک دو دفعہ کسی نے کمبل کا کونہ کھینچا بھی لیکن میں نے

کمبل مضبوطی سے تھاما ہوا تھا۔ نجانے کتنی دیر گز رگئی۔ ۔

یہاں تک کے نیند کے مہرباں ہاتھ نمودار ہوئے اور اس نے مجھے تھپک کر سلا دیا۔

"12-14-14

ڈر پوک ۔۔۔

اس نے ڈائری کا ورق الٹتے ہوئے کہا اور پھر ڈائری اسی طرح رکھ کر اس کے کمرے سے باہر آگئی۔

<><><><>

سزا

پیڑوں سے لٹکتی لاٹینیں ہوا کی حرکت کے ساتھ لرزائ تھیں۔

قلعے کی ٹوٹی دیوار کے ساتھ ساتھ خستہ حال پگڈنڈی پر ایک گاڑی بڑی سڑک کی طرف بڑھ رہی تھی۔

اور کریم بخش پیڑ کے کھر درے تنے کے ساتھ بندھا سوچ رہا تھا۔

ایک ڈیرے کے خلاف جانے کی سزا کتنی بھی انک ہو سکتی ہے؟



ضرورت مند

رات اک چور میرے گھر میں گھس آیا تھا۔

میں نے اسے پکڑ کر گھر کی وحشت کے ڈر سے صحیح تک کرسی سے باندھ کر برآمدے میں بٹھائے رکھا۔ صحیح ہونے کو تھی جب میں نے اس تمام سامان سمیت، جو اس نے پکڑے جانے سے پہلے اپنے تھیلے میں ڈال لیا ہوا تھا، رخصت کر دیا۔

اس طرح ہم دونوں ایک دوسرے کے کام آگئے۔

لیکن میں سوچتا ہوں ہم دونوں میں سے زیادہ ضرورت مند کون تھا؟
 بلاشبہ تم۔۔۔

کیوں کہ تمہاری ضرورت اس کی ضرورت سے کہیں بڑی تھی۔

وہ دونوں با تیس کرتے ہوئے پارکنگ تک آگئے تھے جہاں وہ چور اس کی گاڑی کے پاس اس کا سارا سامان لیے کھڑا تھا۔

زرگس

ایک دن اس نے اپنے سارے کپڑے اتار کر خود سے ملاقات کی اور اپنے آپ پر فریفٹہ ہو گئی۔ زرگس کی طرح جس نے ایک دن جھیل کے پانی میں اپنا عکس دیکھ لیا تھا اور خود پر عاشق ہو کر وہیں ۔۔۔ جھیل کنارے لیٹا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ دیوتاؤں نے اسے زرگس کے پھول میں تبدیل کر دیا۔ جیسا کہ یہ متھ ہے۔

لذت کا پہلا دراس پر اپنی دریافت سے کھلا تھا اور اب تو ہر روز وہ اپنی دریافت کی طسمی چھڑی سے اپنے بدن کا ایک درکھوتی ہے اور اس شہر کی بھول بھلیوں میں کھو جاتی ہے۔ اس بات سے بے خبر کہ اس کی سہیلیاں اور ہم عمر لڑ کے کیا کہتے ہیں۔



لاشعور کی سازش

وہ ایک مشہور ایکٹریس کی محملیں بانہوں میں جھول رہا تھا۔

اس کی پور پور نشے میں ڈوبی ہوئی ہونے کے کارن اسے دھنڈ لاد کھائی دے رہا تھا یہاں تک کے اس حسینہ کے خطوط بھی اس کی پکڑ میں کم ہی آرہے تھے۔

لیکن وہ جانتا تھا یہ وہی ہے۔ Sookie کی True Blood

اور پھر جب اس نے اس کے لمس کی مہک کو اپنے اندر اتارتے ہوئے اس کے بھر پور بدن کو بھینجا تو ایک لہر چھوٹ گئی اور وہ بیدار ہو گیا

نا گواری نے اس کے چہرے کی بیبیت کو پل بھر کے لیے تبدیل کر دیا تھا۔

اس نے رانوں سے چھسلتی سیال گرمی کو محسوس کیا اور مسلی ہوئی چادر کو ہٹاتے ہوئے انٹھ کر با تھروم میں گھس گیا۔

<><><><>

ارتکاب

اس کے سامنے ہزاروں لوگوں کا مجمع تھا جن کی گردنیں جھلکی ہوئی تھیں۔

اس نے دیکھا۔۔۔۔۔ وہ ایک میدان میں کھڑا ہے جہاں ڈھیر سارے بچے ہیں جن کی شلواریں اتری ہوئی اور گردنیں جھلکی ہوئی ہیں۔

اس نے پھر دیکھا۔۔۔۔۔

وہاں لوگ تھے جن کی گردنیں۔۔۔۔۔

اسے دنیا کے سب سے عمدہ کام اور اعلیٰ ترین منصب کے لیے چنا گیا تھا۔

ہزاروں لوگ اس کی تاجپوشی کی تقریب میں شرکت کر رہے تھے لاکھوں اسے ٹیکی

وژن پر دیکھ رہے تھے

لاکھوں جن میں یقیناً

وہ بچے اور ان کے والدین بھی ہوں گے جن کی شلواریں۔۔۔۔۔

اسے لگا کہ ایک ایک ویڈیو ریکارڈ کرتے ہوئے وہ خود بھی ریکارڈ ہو گیا ہے
 وہ بچے اس پر چلا رہے تھے " گھٹنوں کے بل، گھٹنوں کے بل "
 اس کے اندر شور اٹھنے لگا اور وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا اور پھر مائیک پر آ کر اس نے
 جو کچھ کہا اور لوگوں نے جو سنا،
 اس سے لاکھوں لوگوں کا مذہب پر سے ایمان اٹھ گیا۔

<><><><>

بھوک

کپڑے، جنہیں تم دھو کر سوکھنے کے لیے تار پہ لٹکا دیتی ہو۔ جب میں انہیں دیکھتا ہوں تو ان کا رنگ میری طلب کے ہاتھ میں آ جاتا ہے۔ تیری پوشک سے رستا ہوا پانی۔۔۔ جب میں اس کے نیچے کھڑا ہوتا ہوں میرے بالوں سے راستہ بناتا ہے تو یہا کیا یک مجھے پانی کا ذائقہ محسوس ہونے لگتا ہے۔ لعاب میرے دہن کی دیواروں سے پھوٹنے لگتا ہے۔ یہ کتنا عجیب ہے اگر میں تمہیں بتاؤں ۔۔۔ تمہارے زیر جامہ کی بآس تازہ کٹے سبب کی قاشوں پر نمک ملنے سے اٹھنے والے احساس جیسی ہے۔ ان سب چیزوں سے جنہیں تم ہاتھ لگا کر رکھ دیتی ہو، میں تمہارے لمس کا خراج وصول کرتا ہوں اور جب تم میرے پہلو سے لگ کے سو جاتی ہو تو میں تمہارے بدن سے لپٹے بوسوں کی گر ہیں اپنے مشتاق لبوں سے کھولتا ہوں۔

جہاں زاد بھوک کی کتنی اقسام ہیں کہ جن سے تم واقف ہو؟
اُس نے اچانک سے پوچھا تو وہ چونک کر اُسے دیکھنے لگی۔

سینیفو کے لئے

"میں سوچتا ہی رہتا ہوں اور ہوا میں تمہیں چھوکر بھی گزر جاتی ہیں۔

اور جب لیز بین Lesbian ہوا میں اپنے ہاتھوں سے تمہارے بالوں کو اڑاتی ہیں تو میں اپنے کمیاب تخيیل کے سہارے کسی خواب کے کونے میں پڑا اونگھنے لگ جاتا ہوں۔

تاکہ ایک پل، ہی سہی، کٹ جائے
تمہارے پاؤں سے لپٹتی ہوئی مٹی کی قسم۔۔۔

میں تو اک دن بھی تمہیں موت سے پہلے نہ کہیں جانے دوں گا۔"

ہیکل زہرہ کے ادھر ایک چڑاہا اپنے روپ کو ہانکتا جاتا اور یہ شعر دھراتا جا رہا تھا
کہ جھیل کی طرف سے آتی ایک کبی نے اسے دیکھا اور سن لیا تھا اور پھر۔۔۔ اپنی

راہ سے ہٹ کر اس کے پیچھے پیچھے چل دی تھی۔ یہاں تک کے وہ سیفو کی جگہ کے بالکل قریب سے گزر کر چروا ہے کے گھر میں داخل ہو گئے۔ چروا ہے نے اسے دیکھ کر حیران ہوتے ہوئے پوچھا

تم میرے پیچھے یہاں تک آگئی ہو۔۔۔ کیوں؟

"سیفو کے لیے"

اس نے متنant سے جواب دیا۔

<><><><>

Aphrodite

آسمانوں سے اتر،
 ایک دن تو بھی آسمانوں سے اتر
 ریشمی پوشاک میں ملبوس کہ جس کے دھاگے میری سوچوں کے ابدان ادھر نے
 سے بنے ہیں۔ میری خوش گفتار بیوی کی طرح میرے سینے پہ اتنے کے لیے
 آسمانوں سے اتر اور چھا جا میری سوچوں کے افق پر دیوی،
 تا ابدا پنے غلاموں میں مجھے شامل کر کے مجھ سے بے وقعت و بے ما یا کو جہاں بھر
 کے لیے معتبر کر دے، فلک کی بیٹی۔

"ایک انسان کے سوچے ہوئے بیدار بدن کی مالک۔" دھیمے لمحے میں اس کے
 پاس سے گزرتے ہوئے کسی نے کہا

معبد کی دیوار کے ساتھ لیک لگائے بیٹھا مسافر اس بات سے بے خبر تھا کہ بڑا پچاری اس پر ہستا ہوا گزرا ہے۔ ہستا ہوا پچاری ہی وہ پہلا شخص تھا جس نے دیوی کا معبد بنانے کا حکم دیا تھا اور جسے دیوی پہاڑ کی چوٹی کے ادھر روز ملنے آئی تھی۔ لوگوں کے چڑھاوے لینے اور پچاری کو ان کی دادرسی کا سامان کرنے کے طریقے بتانے۔۔۔

<><><><>

لز بس کی ملکہ

کاش ٹائم مشین میں ہم اپنے جسم کے علاوہ بھی کچھ لے جاسکتے۔ کم از کم Outre سے سلا ہوا میرا بلکے آسمانی رنگ کا سوت، اس کے ایک فریگمنٹ کی طرح

Wrapped in a Blue Cloak

اور ایک بیاض۔۔۔ لوح ادراک پہ لکھے ہوئے شعروں کے علاوہ
بدن کی اولیں قدر دان شاعرہ کے سامنے اپنے بدн کے عیب چھپانے کا ہنر
اور قرۃ العین طاہرہ کے دو شعر۔۔۔

لیکن اب۔۔۔ مجھے ڈر ہے کہ جب میں اس کے سامنے جاؤں گا تو اس حسین
ساحرہ کے رعب سے میری زبان تو گنگ ہو جائے گی۔ تھوک سوکھ جائے گا۔ لفظ
کسی سازش کے تحت فرار ہو جائیں گے تو میں ڈر رہا ہوں۔۔۔
کہیں وہ مجھے اپنا کوئی ہندوستانی غلام ہی نہ سمجھ بیٹھے۔

جب وہ اپنے تن پر سفید قبال پیٹھے ٹائم مشین کی طرف بڑھ رہا تھا، اس کی پریشانی
دیدنی تھی۔

Longing

میں کس طرح بتاؤں یہ کیا ہے؟

کہ ہر دفعہ جب بھی میں تمہارے نزدیک آتا ہوں تو اک آگ میرے جسم کو پلکی
آنچ پر رکھ لیتی ہے۔ لعاب دہن سوکھنے لگتا ہے اور آواز سلب ہو جاتی ہے۔ زبان
تالو سے چپکنے لگتی ہے۔ بدن ایک خستہ پُل کی طرح، جسے بھرے ہوئے وحشی
سانڈ اپنے پاؤں سے پامال کر رہے ہوں، تھر تھرانے لگتا ہے اور پھر جب تم مجھ پر
جھکتی ہو

تب مجھے علم ہوتا ہے تمہاری سانس بھی اسی بھٹی سے ہو کر آتی ہے جہاں میرا تنفس
رہن رکھا ہوا ہے۔

تم شاعر پاگل ہوتے ہو۔۔۔ بالکل پاگل ۔۔۔
اس نے ساری تمہید سن کر کہا
تم سے بہتر کون جانتا ہے۔
اس نے کہا اور دونوں ہنسنے لگے۔

چاک

اس بار میں نہیں بھاگا۔ بس کھڑا رہا اور دیکھتا رہا۔

زیادہ سے زیادہ کیا ہو گیا؟

کچھ بھی نہیں۔۔۔

ایک کملایا ہوا مس، ڈیڑھ بوند پانی اور ایک جلی ہوتی نا گوار بُو
صد شکر قبا چاک ہونے سے پچ گئی۔

<><><><>

Death of An Artist

تمہیں کچھ ملا؟

نہیں اس نے خودکشی سے پہلے اپنا سارا کام نذر آتش کر دیا تھا۔ یہ ایک پینٹنگ ملی ہے جس پر اس کے دستخط کے ساتھ دس سال پرانی تاریخ ڈال رکھی ہے۔

"ایک آرٹسٹ کی موت" یہ اس کی شاہکار پینٹنگ ہے اس کے بعد اس کے کسی کام کو اتنی مقبولیت حاصل نہیں ہو سکی جتنی شہرت اسے ملی تھی۔

اور اب وہ اس کے زیر سایہ سانس لینے لگا ہو گا۔ فن کی موت ہی فن کار کی موت ہوتی ہے۔

ایسا کرو اس کی موت کی خبر کے ساتھ اُس کی اس پینٹنگ کو بھی نشر کر دینا۔

بیچارہ آرٹسٹ



و ما علینا

ہاں۔۔۔ ہاں ماردوا سے بھی۔۔۔

تم کیا سوچ رہے ہو۔۔۔

تم اس کام میں جلدی کیوں نہیں کرتے ہو اؤں کا ماتم سن رہے ہونا۔

اپنی تلوار اٹھاؤ اگر تمہارے ہاتھ ٹوٹ نہیں جاتے تو اور جلدی کرو۔۔۔

خدارا جلدی کرلو۔۔۔

لیکن دیکھو۔۔۔ ذرا اس کے شانت چہرے کو تو دیکھو۔۔۔

اور اپنے کسے ہوئے جڑوں کا تناؤ بھی دیکھو۔۔۔

ایک مرد کے کیے کی سزا ایک عورت کو دیتے ہوئے۔۔۔

تمہارے ہاتھ ٹوٹ جائیں گے۔۔۔

اگر نہیں ٹوٹتے تو پھر جلدی کرو۔

ہواوں کا جگر پاش پاش ہے۔ اس سے پہلے کہ کسی نادیدہ ہاتھ کی جنبش تمہارے قلب کو پہلو سے کھینچ لائے جلدی کرو
اور آگے بڑھ کر اس کا سرتن سے جدا کر دو۔۔۔

<><><><>

ماں

"میں تھک گیا ہوں ماں۔

ماں میں اتنا بڑا ہو گیا ہوں کہ تیری گودی کم پڑ جاتی ہے۔

ماں سب نے مل کر مجھے تھکا دیا ہے۔ میں ہار گیا ماں۔۔۔

میں ہار گیا۔۔۔

میں لوٹ رہا ہوں ماں۔

ممکن ہے انتظار کرتے کرتے میری آنکھ لگ جائے ماں۔۔

تو مرا سراپنی گود میں رکھ لینا ماں۔۔۔

اور میرے بالوں کو سہلا کروہ سکون دینا جو میری بیوی مجھے کبھی نہیں دے سکی ماں۔

ماں میرے پچے بھی تو تیرے پچے ہیں ان کا بھی میرے جیسا خیال رکھنا۔۔

اور ماں اس کا بھی۔۔۔

ممکن ہے لوٹتے ہوئے مجھے دیر ہو جائے پر تو فکر نہ کرنا

میں تجھے ضرور ملوں گا۔

میٹھے پانی کے حوض سے تو مجھے اپنے ہاتھوں سے پانی پلانا ماں---
میں آرہا ہوں ماں"

آج ہی اسے ماں نے کہا تھا "بیٹا تو چٹھی لکھ دیا کرفون پر اب تیری آواز سنائی
نہیں دیتی۔۔۔ میرے کان بوڑھے ہو گئے ہیں"
چٹھی پر جو کچھ لکھا تھا اسے پڑھ کر یہ سکیو امکار پتھر کا ہو گیا تھا۔

<><><><>

پارک میں ایک سل پر ایک فون پڑا تھا۔ میں نے جا کر دیکھا تو اس پر لکھا تھا "پک اپ"۔

میں نے فون اٹھالیا۔ ایک بر قی رو میرے بازو سے ہوتی پورے بدن میں پھیل گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے میں رنگوں میں نہا گیا اور میری ہیئت تبدیل ہوتے ہوتے میں ایک سمارٹ فون میں ڈھل گیا۔ تمام کائنات کا ڈیٹا میرے اندر ڈاؤن لوڈ ہو رہا تھا۔

ساری معلومات ترتیب سے رکھی جا رہی تھیں۔ ہر وہ چیز جو انظر نیٹ سے جڑی تھی میری دسٹرس میں آگئی۔

لیکن جب میں نے اسے استعمال کرنا چاہا تو مجھے پتا چلا میرا توکوئی وجود ہی نہیں ہے۔

میں اب بھی اسی سل پر پڑا منتظر ہوں۔۔۔ کب کوئی مجھے اٹھا لے۔۔۔
آپ کیوں نہیں اٹھا لیتے۔۔۔
پتہ ہے۔۔۔ ٹیک پارک نچر لنک روڈ ماؤنٹن ایج "۔۔۔
"بکواس" اس نے ایک نظر دیکھا۔
اور ای میل ڈیلیٹ کر دی۔

<><><><>

بندر

"کائنات کی تخلیق ایک لفظ سے ہوئی۔

اس لفظ کی گردھ کھلنے سے زمین آباد ہوئی اور زمین پر انسان کو اتارا گیا۔

اسے اعلیٰ اور ارفع منصب پر فائز کیا گیا۔

دل اور دماغ و دلیعت کیے گئے۔ لیکن اب تم دیکھ رہے ہو

انسان نے حقائق کو مسخ کرنا سیکھ لیا ہے۔

وہ کہتا ہے پہلے بندر تھے جوار تھائی مراحل سے گزر کر انسان بن گئے۔

میں کہتا ہوں پہلے انسان تھے جو عذابِ الہی سے بندر بن گئے۔

کوئی اعتراض"

ایک بندر کلاس روم میں پیچھرے رہا تھا۔

ایک بندرنے ہاتھ کھڑا کیا۔

جی۔۔۔؟

یہ کیلے جو ٹیبل پر رکھے ہیں۔ کیا میں انہیں ہاتھ لگا سکتا ہوں۔

ضرور۔۔۔

میں بھی۔۔۔ میں بھی۔۔۔

سارے بندر شور کرنے لگے۔

<><><><>

بلا عنوان

انسانوں پر تمہاری ریسروچ کہاں تک پہنچی ہے۔
وہ ابھی خودشناسی کے مراحل میں ہیں۔

ان کی Myths کیسی ہیں۔

ان کی جو ممتحنہ ہے وہ ہماری اصل ہے۔

تو ہماری ممتحنہ ان کے لیے کیا ہوگی۔

لیکن ہماری تو کوئی ممتحنہ ہی نہیں۔

یہی ان کے لیے سب سے بڑی ممتحنہ ہوگی۔

تو ہمیں اور کتنا وقت لگے گا Superhuman دیکھنے میں۔۔۔

تین صدیاں اور۔۔۔ اگر وہ بچے رہے۔

ہاں اگر وہ بچے رہے۔

<><><><>

پینسل اور چڑیا

وہ کچھ دیرا سے ہلاتی رہی۔

پھر اس پر چونچ مارنے لگی۔

خشک اور حیات کے رس سے بیزار لکڑی

اس نے سوچا۔۔

ایک دفعہ پھر اسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"فالتو"

اس نے کہا اور کھڑکی میں جا کر بیٹھ رہی۔

جہاں سے وہ ان پیڑوں کو دیکھ سکتی تھی جو ابھی زندہ تھے اور جن میں حیات کا رس موجود تھا۔

<><><><>

تہذیب کے قیدی

ایک بندروٹا نئی کوٹ پہنا کر اس کی تصویر بنا کر تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو۔
 تمہارے اس فوٹوگراف کا کیا مقصد ہے اور یہ کیا مثالیں ہوا "تہذیب کے قیدی"
 تہذیب کیا ہے؟ تم کیا سمجھتے ہو
 تہذیب وہ معاشرتی ترتیب ہے جو ثقافتی تخلیق کو فروع دیتی ہے۔
 تمہارے خیال میں ایک وحشی مہذب نہیں ہو سکتا۔
 وحشی اور مہذب۔۔۔ کیا بات کرتی ہو
 تہذیب کو کون کون سے عناصر متشکل کرتے ہیں؟
 معاشی بہم رسانی، سیاسی تنظیم، اخلاقی روایات اور علم و فن کی جستجو۔۔۔

کیا ایک جھٹی ان باتوں سے بہرہ ورنہیں۔ وہ اپنے قبیلے میں بڑی احتیاط سے ان چیزوں کا اپنے طریقے سے اطلاق کرتا ہے۔
لیکن بندرتو۔۔۔؟

بندرت تھارے اب وجد ہیں۔ انہیں تم غیر مہذب نہیں کہہ سکتے۔
ظر کیا جا رہا ہے؟
میں سنجیدہ ہوں۔

اس نے کہا اور وہ اس کی شکل دیکھنے لگا۔

<><><><>

ہر کہیں ہے کوئی

گیان کیا ہے گرو جی؟

گیان وہ ہے جو تم نے جان لیا۔

اور جو نہیں جان سکے۔

اگر تم جانتے ہو تم کیا نہیں جان پائے تو وہ بھی گیان ہے۔

لامعی گیان نہیں ہے؟

اگر معلوم ہو کس چیز سے لامع ہو تو وہ بھی گیان ہے۔

گرو جی۔۔۔

چلے۔۔۔

میں بھاگ جاؤں گا۔

لیکن تم کس سے بھاگنا چاہتے ہو۔

آپ سے گرو جی۔ ہر اس جگہ سے جہاں میں، میں ہوں اور کوئی اور کوئی اور ہے۔

لیکن بچہ جہاں بھی جاؤ کوئی نہ کوئی وہاں پہلے سے موجود ہوگا۔
 خود میں ہی جھانک لو اندر کتنے "کوئی" موجود ہیں۔
 کس کس سے بھاگو گے۔

کہاں جاؤ گے۔ کہاں ہے ایسی جگہ جہاں کوئی نہ ہو اور یہ اب تم کہاں چل دیئے۔
 کہاں جا سکتا ہوں گرو جی۔ میں یہیں ہوں ذرا بھوجن کا بندوبست کر کے آتا
 ہوں۔



وہ کون تھا؟

آہستہ سے دروازہ کھلا اور پھر بند ہو گیا۔

دروازے کی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی۔

ایک آدمی اندر آیا اور ماحقہ واش روم میں گھس گیا۔

کون ہو سکتا ہے وہ سوچنے لگا۔ پھر اسے یاد آیا اس دیرانے میں یہ اکلوتا ہو ٹل تھا

جس کا نیجہ بھی اسے کمرہ دکھا کر سونے جا چکا تھا اور ملازم تو کوئی اس نے دیکھا، ہی

نہیں تھا۔

اور ہاں دروازہ تو اندر سے بند تھا۔

اسے یاد آیا۔

انہیں خنجراب پاس سے آتے ہوئے شام ہو گئی تھی۔ یہ الگ تھلگ ہو ٹل ہی ملا تھا

انہوں نے سوچا تھا رات ہی بس کرنا ہے گزر جائے گی۔

اتنے وہ شخص واش روم سے نکلا اسی طرح دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔
 وہ دروازہ بند کرنے کے لیے اٹھا تو اس کے اوسان ہی خطا ہو گئے۔
 دروازہ اندر سے بند تھا۔ کھڑے کھڑے اس کا بدنا بھیگ گیا۔
 اس نے اپنے ساتھیوں کو اٹھایا تو وہ اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گئے۔
 انہیں واپس آئے بھی بہت دن ہو گئے ہیں لیکن یہ معتمد اب بھی وہیں ہے کہ وہ
 کون تھا۔

<><><><>

لبیک

لبیک اللہم لبیک

میرے مالک تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔

جس نے مجھا یے بے مصرف قطرہ نور کو آسمانوں سے زمین کی جانب روانہ کیا تاکہ میں زمین پر تیرا اولیں گھرد بکھ سکوں۔

میرا شرف اور میری وجہ تخلیق کی معراج یہی ہے۔

اب میں اور کیا خواہش کر سکتا ہوں ماسوائے اس کے کہ میں تیری ذات میں سما جاؤں۔

لبیک اللہم لبیک ----

اہل زمین کے ادراک سے پرے ایک اور بے بدن زمین کا طواف کر کے لوٹ رہا تھا۔

<><><><>

سر اٹھاؤ

ہم تمہاری ریاضت کا پھل تمہیں دینا چاہتے ہیں۔

میرے مالک، میں بولنے سے قاصر ہوں۔ میرے پاس الفاظ ہیں نہ زبان۔

میں تیری عبادت کرتا ہوں یہی میرے ہونے کا حاصل ہے۔

اور یہ میرا شرف ہے کہ تو مجھ سے ہمکلام ہوا۔ اب اور کسی پھل کی تاب ہے نہ ضرورت۔

لیکن ہم چاہتے ہیں تم زمین پر جاؤ اور وہاں ہمارا گھر دیکھو۔

سبحانک اللہم!

اس سے بڑھ کر میں توقع بھی نہیں کر سکتا کہ اور نوازا جاؤں۔

اب جاؤ اور یاد رکھوں میں سے آنے کے بعد وہاں دوبارہ نہ جا سکو گے۔

سبحانک اللہم! یہ کیا کم خوش نصیبی ہے۔

سبحانک اللہم--



افلاس

بھوک سے نڈھاں بچے کہیں سے ایک مینڈک پکڑ لائے تھے۔

"اے پکا دو ماں"

ماں نے دیکھا تو اس کا دل دہل گیا۔

وہ بچوں کو بٹھا کر نزدیکی نل سے پانی لینے چلی گئی۔

بچوں کو معلوم تھا ماں تب تک نہیں آئے گی جب تک وہ سونہیں جائیں گے۔

اس لیے بڑے بچے نے جلدی جلدی مینڈک کو ایک ٹوکرے تلے قید کیا اور خود بان کی چار پائی پر اپنے سے چھوٹی بہن اور بھائی کے پاس آ کر لیٹ گیا۔

"آؤ ہم کچھ دیر سو جاتے ہیں تاکہ ماں جلدی آ سکے۔"

اس نے کہا اور وہ سو گئے۔

<><><><>



خوش آمدید! اردو ادب میں، ماں سکرہ فکشن کی پہلی کتاب میرے حامیے ہے جس نے طرزِ اعیمن میری کل توجہ جذب کر لی، چند لاکھوں میں جو الائچی قید کرنا کوئی آسان کام تو ہے نہیں لیکن یہ کام عقیل عباس نے کر دکھایا۔ ماں سکرہ فکشن لکھاری سے پوری خوبیگی اور ریاضت کا تھاضا کرتا ہے۔ عقیل عباس ایک زمشق فکشن نگار ضرور ہے لیکن جس سلیقے سے اس نے ماں سکرہ فکشن لکھے ہیں وہ اس کے فن کی پختگی کی دلیل ہے۔ قدرت نے اسے یہ دعفِ عطا کیا ہے کہ وہ اپنے قلم سے چھوٹے چھوٹے لفظ لکھتا جاتا ہے اور کاشم پر اس منظر کی پوری تصویر بنتی ہے پھر وہ منظر قاری کو اپنے سحر میں گرفتار کر لیتا ہے اور قاری حیرت کے ایک نئے جہان میں چا رہا جاتا ہے وہ لطف کی ایسی کیفیت ہے جہاں سے وہ خود بھی واپس نہیں آتا جاتا۔

زعیم رشید

